قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

جلد: ۷۰ شمارہ: ۱۰
شوال المکرم ۱۴۲۸ھ نومبر ۲۰۰۷ء
قیمت فی شمارہ: ۲۰ روپے
زر سالانہ: ۲۰۰ روپے
ناشر: مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر
مطبع: ایجوکیشنل پریس کراچی
طابع: فیروز ذکی

مدیر مسئول
مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر

مدیر منتظم
مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر
مولانا سعید احمد جلال پوری

مدیر معاون
مولانا محمد اعجاز

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

ماہنامہ

بینات

کراچی

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ:
ماہنامہ ''بینات'' پوسٹ بکس نمبر ۳۴۶۵، کراچی ۷۴۸۰۰
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
فون دفتر بینات: ۴۹۲۷۲۳۳۔ ایکسٹینشن: ۱۴۔
فون جامعہ: ۴۹۱۳۵۷۰۔ ۴۱۲۱۱۵۲۔ ۴۱۲۳۳۶۶
فیکس: 92-21-4919531

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک:
ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ: ۳۰ ر امریکی ڈالر
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: ۲۳ ر امریکی ڈالر
بنگلہ دیش: ۲۰ ر امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

ٹی وی پر علماء کرام کا آنا ثبت و منفی پہلی	۳	سعید احمد جلال پوری

مقالات و مضامین

عصمت انبیاء وحرمت صحابہؓ (۲)	۱۲	حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
ڈی این اے ٹیسٹ اور ثبوت نسب	۲۲	سعید احمد جلالپوری
علامہ محمد یوسف بنوری اور خدمات حدیث (۳)	۲۶	مولانا محمد عبداللہ کاپودروی
اسلام کا محاسبہ - یورپ سے درگذر	۳۲	ڈاکٹر ایم جمیل فاروقی
اشاعت دین میں خواتین کا کردار	۳۴	مولانا مفتی رضاء الحق
پریشانیوں سے نجات کا نسخہ	۴۳	محمد راشد
عجیب واقعہ اور عجیب ترین استدلال	۴۹	مولانا عطاء الرحمٰن
قرآن وسنت میں نماز ادا کرنے کے آداب واحکام	۵۰	جناب عبدالمجید صاحب
پرسکون زندگی	۵۵	گل نواز ایوبی

دارالافتاء

ڈائینٹیک سینٹر کا دعویٰ اور اسلامی تعلیمات	۵۸	مولوی فضل معبود

نقد و نظر

	۶۲	ادارہ

ٹی وی پر علماء کرام کا آنا مثبت و منفی پہلو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ آج کل میڈیا اور ٹی وی چینلوں پر یہودی لابی، ان کے وفاداروں اور نمک خواروں کا قبضہ ہے، وہ اسلام اور احکام اسلام کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں، وہ مسلمانوں کو تشدد پسند، دہشت گرد اور اسلام کو ناقابل عمل دین و مذہب باور کراتے ہیں، اسی طرح وہ روزمرہ مسائل اور عقائد ونظریات پر جو مکالمے دکھاتے ہیں، اس میں بھی باطل اور باطل پرستوں کے عقائد ونظریات کو حق وصواب اور اہل حق کے موقف کو اس طرح بے وزن کر کے پیش کرتے ہیں کہ ایک سیدھا سادا قاری حق وسچ اور باطل وجھوٹ میں امتیاز نہیں کر پاتا، وہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے، بلکہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اور اہل حق سے وابستہ افراد بھی اپنے عقائد ونظریات کے سلسلہ میں شکوک وشبہات کا شکار ہوجاتے ہیں، اور یہ سوچنے لگتے ہیں کہ ہمیں جو کچھ بتلایا اور پڑھایا گیا تھا، شاید حقائق اس سے مختلف ہیں، ایسی پریشان کن صورت حال سے بے چین ہوکر، دین کا درد رکھنے والے مسلمانوں کی خواہش اور شدید تقاضا ہے کہ اہلِ حق علماء کو ان ٹی وی پروگراموں میں آنا چاہئے اور اس فتنہ کا مقابلہ اس میدان میں اتر کر کرنا چاہئے اور عوام کو اصل حقائق سے آگاہ کرنا چاہئے، اور ٹی وی، سی ڈیز اور کیبل چینلز کے جواز کا فتویٰ دے دینا چاہئے، چنانچہ ایسے ہی ملی درد رکھنے والے بعض علماء سے بھی سنا گیا ہے کہ اب تو ٹی وی، سی ڈیز اور کیبل چینلز کی اس دلدل اور کیچڑ میں گھس کر اس میں غرق ہونے والے مسلمانوں کو نکالنا چاہئے، اگر اس سے تغافل برتا گیا تو وہ دن دور نہیں جب اسلام اور اسلامی اقدار کا تشخص نابود ہوجائے۔

ان ہمدردانِ قوم و وطن اور دین وملت کا اصرار ہے کہ اگر یہ ممکن نہ ہو تو کوئی ایسا اسلامی چینل کھولا جائے جس کو دیکھ کر مسلمان اپنا دین، مذہب اور ایمان وعقیدہ محفوظ رکھ سکیں، اور اس کے ذریعے مادر پدر آزاد اور لادین

ٹی وی چینلوں کے زہر اگلتے پروگراموں سے نئی نسل کو محفوظ کیا جاسکے اور دین و مذہب، ایمان وعقیدہ اور علم وعمل کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر رکھ کر دنیا بھر کی مسلم امہ کی راہ نمائی کی جاسکے۔

دیکھا جائے تو ان ''مخلصین'' کی فکروسوچ اخلاص پر مبنی ہے، اور ان کا جذبہ صادق ہے، اور بادی النظر میں ایسا کرنے کی ضرورت بھی ہے، اس لئے کہ ٹی وی اور سی ڈیز کے مادر پدر آزاد پروگرام، لچر و واہیات ڈرامے، ننگی فلمیں اور حیا سوز مناظر اتنا نقصان نہیں پہنچا رہے، جتنا یہ نام نہاد دینی پروگرام مسلمانوں کے عقائد و نظریات کو برباد کررہے ہیں، اس لئے کہ کوئی شخص فلم کو نیکی اور ثواب سمجھ کر نہیں دیکھتا، اور نہ ہی اس کے کرداروں کو حق وصواب جان کر اپناتا ہے، بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی ان کو قبیح، بُرا اور گناہ سمجھ کر دیکھتا ہے، جبکہ اس کے برعکس ان نام نہاد پروگراموں کو دینی اور مذہبی پروگرام سمجھ کر دیکھا جاتا ہے اور ان کی روشنی میں ہی ناظرین اپنی زندگی کے خطوط متعین کرتے ہیں، اس لئے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ موجودہ ٹی وی چینلوں کے نام نہاد دینی پروگرام نئی نسل کے لئے ننگی اور بلیو پرنٹ فلموں سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس کا سدباب کیونکر اور کیسے ہو؟ اس سلسلہ میں دوقسم کی آرا پائی جاتی ہیں، ایک طبقہ کا خیال ہے کہ ٹی وی چینل میں ثقہ علماء کو آنا چاہئے اور ٹی وی کے میدان میں اتر کر دشمنانِ دین سے دوبدو مقابلہ کرنا چاہئے یا پھر اپنا الگ ٹی وی چینل قائم کرکے اس کا توڑ کرنا چاہئے، جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا جاچکا ہے۔

مگر علماء امت کی ایک قابل اعتماد جماعت کو اس سے نہ صرف اختلاف ہے بلکہ شدید ترین اختلاف ہے، ان کا موقف ہے اور بالکل بجا موقف ہے کہ:

۱:...... **ان السیئة لا تدفع بالسیئه** ...... گناہ کا ازالہ گناہ سے نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا ٹی وی پر آکر ٹی وی کی خباثتوں کا سدباب کرنا، ایسا ہی غلط ہے جیسے پیشاب کی غلاظت کو پیشاب سے دھونا یا پیشاب کی ناپاکی کو پیشاب سے پاک کرنا، جیسے یہ غلط ہے ایسے وہ بھی غلط ہے۔

۲:...... ٹی وی اور سی ڈیز کا کوئی پروگرام تصویر کے بغیر نہیں ہوتا اور تصویر بنانا یا بنوانا مطلقاً ناجائز اور حرام ہے، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، تصویر خواہ پرانے اور دقیانوسی زمانے کے لوگوں کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ہو، یا جدید سائنسی اور ترقی یافتہ دور کی، اس کی حرمت پر پوری امت کا اجماع ہے۔

۳:...... تصویر سازی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدترین عذاب کی وعید ارشاد فرمائی ہے، اور فرمایا ہے کہ: قیامت کے دن تصویر بنانے والوں سے کہا جائے گا کہ دنیا میں تم نے جاندار کی تصویر بنا کر میری ہمسری اور برابری کی کوشش کی تھی، لہٰذا آج اس تصویر میں روح پھونک کر اور اس کو زندہ کرکے دکھلاؤ، ظاہر ہے یہ انسانی اختیار میں نہیں ہوگا تو اس کی پاداش میں ان کو سخت ترین عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس وضاحت کے بعد کیا کوئی عقل مند انسان اس کی جرأت کرسکتا ہے کہ جان بوجھ کر عذاب الٰہی کو گلے لگائے؟

۴:...... چونکہ ٹی وی اور ڈی وی ڈی کی وضع اور ساخت ہی لہو ولعب کے لئے ہے، اس لئے ان کو دینی مقاصد کے لئے استعمال کرنا نہ صرف غلط ہے، بلکہ دین کی توہین و بے حرمتی کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ اگر شریعت مطہرہ نے شراب کے مخصوص برتن مثلاً حنتم، دباء، نقیر، مزفت کو پاک کر کے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی، بلکہ ان کو توڑنے کا صرف اس لئے حکم فرمایا کہ وہ شراب کی علامت اور ایک حرام مشروب کے لئے مخصوص وموضوع تھے، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے وفد عبدالقیس کی آمد پر بطور خاص ان برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا، جیسا کہ ارشاد ہے:

''ونهاهم عن اربع عن الحنتم والدباء والنّقير والمزفت'' (بخاری، ج:ص:۱۳)

''یعنی آپ نے ان کو شراب کے لئے مخصوص وموضوع چار قسم کے برتنوں: حنتم، دبا، نقیر، اور مزفت کے استعمال سے منع فرمایا تھا۔''

اگر شریعت مطہرہ اور پیغمبر اسلام ﷺ نے ایک حرام وناپاک مشروب کے لئے مخصوص برتنوں یا شراب کی علامت شمار ہونے والے ظروف کو استعمال کرنے یا ان سے نفع اٹھانے کی اجازت نہیں دی، تو ٹی وی، ڈی وی ڈی یا اس طرح کی دوسری چیزیں جو لہو ولعب کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لئے استعمال ہی نہیں ہوتیں، ان سے نفع اٹھانے کی کیونکر اجازت ہوگی؟ یا ان کے ذریعہ دعوت وتبلیغ کی اجازت کیونکر دی جاسکتی ہے؟

۵:...... اسی طرح یہ منطق بھی ناقابل فہم ہے کہ دوسروں کو گناہ اور گمراہی سے بچانے کے لئے خود اسی گناہ اور گمراہی کی راہ اختیار کرلی جائے، جس سے دوسروں کو منع کیا جارہا تھا، کیا کوئی معمولی عقل وفہم کا انسان یہ گوارا کرسکتا ہے کہ ایک گناہ کو دور کرنے کے لئے دوسرے گناہ کا ارتکاب کیا جائے؟ جب کوئی شخص دوسرے کی زندگی بچانے کے لئے اپنی دنیاوی زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتا تو محض اس امکان پر کہ شاید دوسرا راہِ راست پر آجائے، کیا اپنی آخرت کی دائمی زندگی برباد کی جاسکتی ہے؟ یا اس کو داؤ پر لگایا جاسکتا ہے؟ یا کوئی اس کے لئے تیار ہوگا؟ اگر کوئی عقل مند ایسا کرے تو شرعاً، اخلاقاً اس کی گنجائش ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو علماء کو اس خودکشی کا درس کیوں دیا جاتا ہے؟ اور اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک کی چودہ صدیوں سے اس کی کوئی ایک آدھ مثال پیش کی جاسکتی ہے؟ کہ کسی نے دوسرے کی ہدایت کی خواہش پر خود گمراہی اختیار کرلی ہو، اگر ایک لمحہ کے لئے اس کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟ یا انسان اس کا مکلف ہے؟ نہیں، نہیں، ہرگز نہیں۔

۶:...... اگر علماء کرام اور مقتدیانِ ملت ٹی وی پر آنا شروع کردیں تو سوال یہ ہے کہ پھر عوام کو اس آلہ لہو ولعب کی تباہ کاریوں سے کیسے بچایا جاسکے گا؟ بلکہ اس وقت تو معاملہ اور بھی مشکل اور سنگین ہو جائے گا، جب علماء کرام خود ٹی وی کی اسکرین پر تشریف فرما ہوں گے اور دوسروں کو اس کے دیکھنے اور استعمال کرنے سے منع

فرما رہے ہوں گے، کیا اس وقت ان کا روکنا ممکن ہوگا؟ یا ان کی تلقین مؤثر ہوگی؟

اسی طرح دنیا بھر میں امت مسلمہ کی ایک قابلِ قدر جماعت آج تک اس کے استعمال کو ناجائز اور نئی نسل کے لئے مہلک وسم قاتل سمجھتی آئی ہے، کیا اس اجازت یا نرمی سے وہ متاثر نہیں ہوگی؟ کیا ان گھروں میں جدید تہذیب یا بے دینی کے داخلہ کے ذمہ دار وہ علماً نہیں ہوں گے جو ٹی وی کے جواز کے لئے کوشاں ہیں؟

۷:... بالفرض اگر علماء کرام عوام کو اس سے روکنا بھی چاہیں، تو کیا عوام کو یہ کہنے کا حق نہیں ہوگا کہ جس طرح آپ دینی پروگراموں کے لئے ٹی وی پر تشریف لاتے ہیں... اور یہ جائز ہے تو... اگر ہم نے محض دینی پروگرام دیکھنے کی غرض سے ٹی وی لیا ہے، اور اس غرض سے ٹی وی دیکھتے ہیں، تو یہ کیونکر ناجائز ہے؟ بتلایا جائے اس کا کیا جواب ہوگا؟

اگر بالفرض علماء کرام جائز پروگرام دیکھنے کے لئے ٹی وی کو جائز قرار دے دیں اور ٹی وی گھروں میں گھس جائے تو پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ اس پر لچر، واہیات، فحش اور ایمان سوز پروگرام نہیں دیکھے جائیں گے؟ یا اس پر دنیا جہاں کی ننگی فلمیں نہیں دیکھی جائیں گی؟ کیا اس سے گناہ اور بدکاری کی راہ نہ کھل جائے گی؟ کیا گھر میں ٹی وی آجانے کے بعد جائز وناجائز کی تحقیق ثانوی درجہ میں نہیں چلی جائے گی؟

۸:... اگر علماء کرام ٹی وی پروگراموں میں آنا شروع کردیں اور ٹی وی مباحثوں میں شریک بھی ہونا شروع کردیں تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ یہود ونصاریٰ کی اولاد، علماء کے افکار وارشادات کو ہوبہو ٹی وی میں نقل بھی کردیں؟

جبکہ صورت حال یہ ہے کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ جب کسی عالم دین نے حقائق کا اظہار کرنا شروع کیا تو نہ صرف اس کو بولنے کا موقع نہیں دیا گیا، بلکہ اس کی جو بات ٹی وی اور بین الاقوامی قوتوں کے ذوق ومزاج کے خلاف تھی، اسے سنسر کردیا گیا۔ چنانچہ طالبان حکومت کے موقع پر حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی شہیدؒ اسی قسم کے ایک مکالمہ میں شریک ہوئے، تو انہوں نے خود بتلایا کہ مذاکرے کا میزبان پہلے تو مجھے بولنے نہ دے رہا تھا، جب میں نے بولنا شروع کیا تو اس نے بارہا میری بات کاٹنے کی کوشش کی، لیکن جب میں نے اس پر برہمی کا اظہار کیا تو اگرچہ اس نے مداخلت تو بند کردی، لیکن میرے انٹرویو کے وہ حصے جو حکومت اور بین الاقوامی قوتوں کے ذوق ومزاج کے خلاف تھے، حذف کردیئے گئے، چنانچہ حضرت مفتی صاحب مرحوم نے خود فرمایا کہ:

''میں نے سوچا تھا کہ شاید اس طرح عوام کے سامنے حقائق آجائیں گے... اور اسی لئے میں شریک بھی ہوا تھا... مگر بعد میں اندازہ ہوا کہ میری سوچ صحیح نہیں تھی اور ایسے پروگراموں میں شریک ہونا درست نہیں، کیونکہ ان مذاکروں کا مقصد حقائق کی نشاندہی نہیں، بلکہ حقائق کو مسخ کرنا ہوتا ہے۔''

۹:... دنیا جانتی ہے کہ ٹی وی اور سی ڈیز کا مقصد اصلاح نہیں، بگاڑ ہے، بلکہ دیکھا جائے تو ٹی وی اور ڈی وی ڈی کا مقصد مغربی تہذیب وتمدن اور لادین کلچر کا فروغ ہے، ظاہر ہے جس پروگرام میں دین و

شریعت اور اسلامی تہذیب وتمدن کی صحیح صحیح نشاندہی کی جائے گی، اسے یہودی لابی اور ان کے ایجنٹ کیونکر برداشت کرسکیں گے؟

۱۰:..... اگر بالفرض مسلمان اپناٹی وی چینل ایجاد کرلیں تو سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جانداروں کی تصویر کے ہوتے ہوئے وہ کیونکر جائز ہوجائے گا؟ اور تصویر کے بارہ میں حکم شرعی پہلے آچکا ہے۔

چلو اگر ایک منٹ کے لئے تصویر کو برداشت بھی کرلیا جائے تو کیا عام ناظرین ایسے ٹی وی چینل کو دیکھنا پسند کریں گے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو بتلایا جائے کہ محراب ومنبر کی آواز پر کان کیوں نہیں دھرے جاتے؟ حالانکہ محراب ومنبر سے بھی یہی بات کہی جاتی ہے، آپ ہی بتلائیے کہ جو بات محراب ومنبر سے کہنے پر نہیں سنی جاتی وہ ٹی وی سے کیوں سنی جائے گی؟ دراصل لوگ ٹی وی دیکھتے ہی صرف اس لئے ہیں کہ ٹی وی اسکرین پر اور ''بہت کچھ دیکھنے کو ملتا ہے'' جو محراب ومنبر سے نہیں دیکھا جاسکتا، لہٰذا ایسا ٹی وی جس میں عوام کی مطلوبہ رنگینی نہیں ہوگی اس کو کوئی بھی نہیں دیکھے گا۔

عوام کی اس رنگین مزاجی پر میراثی کا وہ لطیفہ بالکل فٹ بیٹھتا ہے، جس میں اس نے اہلِ جنت وجہنم کی نشاندہی کرتے ہوئے اپنے سامعین کو مخاطب کرکے کہا:

> ''ارے سنتے ہو! ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ میں مرگیا ہوں، مجھے دفن کردیا گیا، میرا احساب وکتاب ہوا تو فرشتوں نے کہا: تیرے گناہ اور نیکیاں برابر ہیں، جہاں چاہے، تجھے بھیج دیتے ہیں، میں نے مولویوں سے سن رکھا تھا کہ جنت بہت اچھی جگہ ہے، اس لئے میں نے کہا: مجھے جنت بھیج دو، جب مجھے جنت لے جایا گیا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا، وہاں کوئی رونق تھی نہ راگ ورنگ تھا اور نہ تفریح طبع کا دوسرا سامان، بس مسجد کے میاں جی، چند داڑھیوں والے جن کے ہاتھ میں لوٹے اور مصلے تھے، یا پھر علاقے کے غریب غربا اور بس۔
>
> میں نے فرشتوں سے کہا: اس سے کوئی اچھی جگہ بھی ہے؟ انہوں نے کہا اس سے اچھی جگہ تو کوئی نہیں، البتہ اگر چاہو تو تمہیں جہنم دکھا سکتے ہیں، میں نے کہا ضرور! چنانچہ جب مجھے جہنم لے جایا گیا تو کیا دیکھتا ہوں: اپنے گاؤں کے چوہدری صاحب، ملک صاحب، خان صاحب علاقہ کے سارے نامی گرامی لوگ موجود تھے، وہاں کچھ گلوکارائیں گانا گارہی تھیں اور کچھ اداکارائیں ناچ بھی رہی تھیں، محفل جمی ہوئی تھی، چلم بھری تھی اور سارے روشن خیال اور ترقی پسند دوست واحباب جمع تھے، وہاں جاکر تو مزہ ہی آگیا۔''

اگرچہ یہ ایک لطیفہ ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو عوام آج کل اس رنگینی کی تلاش میں ہیں چاہے اس کے

لئے ان کو جہنم ہی کیوں نہ جانا پڑے اوران کو سادگی اور خالص دین وشریعت کے پروگرام ناقابل قبول ہیں، چاہے اس کے عوض جنت ہی کیوں نہ ملتی ہو۔

چلو اس کو بھی مان لیا جائے کہ لوگ ”خالص دینی اورشرعی ٹی وی“ کو دیکھیں گے تو سوال یہ ہے کہ یہودی ایجنٹ اور بین الاقوامی لابیاں اس چینل کو چلنے بھی دیں گی؟ نہیں، ہرگز نہیں، چنانچہ ”الجزیرہ“ ٹی وی کی نشریات کا جام کیا جانا سب کے سامنے ہے، اس کے علاوہ کیا وہ ٹی،وی چینل پوری دنیا کے ٹی وی قوانین کی مخالفت مول لے کر اپنا کام جاری رکھ سکے گا؟ نہیں، نہیں، ہرگز نہیں، چنانچہ اس کے لئے افغانستان کی طالبان حکومت بطور مثال کافی ہے کہ امریکا بہادر اور اس کے اتحادیوں نے اس کی اینٹ سے اینٹ صرف اورصرف اس لئے بجائی ہے کہ وہ بین الاقوامی کافرانہ نظام کا حصہ بننے کے لئے تیار نہیں تھی، ٹھیک اسی طرح ایسے ٹی وی چینل کا بھی حشر ہوگا۔

۱۱:...... رہی یہ بات کہ ارباب کفر والحاد نے اگر ٹی وی کو اسلام کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کیا ہے تو کیوں نہ ہم بھی اس کو اشاعت اسلام کے لئے استعمال کریں؟ نظر بظاہر یہ جذبہ نیک ہے، مگر اس میں مشکل وہی پیش آتی ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے کسی ناجائز اورحرام ذریعہ کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر اشاعت اسلام کے لئے ناجائز ذرائع کے اپنانے کی اجازت ہوتی تو چوروں کی اصلاح کے لئے چوروں اور زانیوں کی اصلاح کے لئے زانیوں کے گروہ میں شامل ہونا بلکہ کافروں کی اصلاح کے لئے کافروں کے گروہ میں شامل ہونا بھی جائز ہوتا، مگر دنیا جانتی ہے کہ دنیا کا کوئی مہذب قانون اس کی اجازت نہیں دیتا۔

اس کے علاوہ اگر بالفرض اشاعت اسلام کے لئے کسی منکر، ناجائز اورحرام کو اپنانے کی اجازت بھی دے دی جائے تو کیا آئندہ کے لئے نہی عن المنکر کا دروازہ بند نہیں ہوجائے گا؟ اس لئے کہ ہر مجرم اپنے جرم کی یہی تاویل اور جواز پیش کرے گا کہ میں نے یہ سب کچھ اسلام کی اشاعت کے لئے کیا ہے، چنانچہ جہاں کہیں کوئی چور، ڈاکو، زانی، شرابی یا قاتل رنگے ہاتھوں پکڑا جائے گا، وہ یہ کہہ کر چھوٹ جائے گا کہ میں چور، زانی، ڈاکو، شرابی اورقاتل نہیں ہوں، بلکہ میں نے تو ان لوگوں کی اصلاح کے لئے یہ شکل اختیار کر رکھی ہے، بتلایا جائے اس سے سارا معاشرہ جرائم اور گناہوں کی آماجگاہ نہیں بن جائے گا؟

۱۲:...... اشاعت اسلام کے لئے ہم اس کے تو مکلّف ہیں کہ جتنا حلال وجائز اسباب وذرائع مہیا ہوں ان کو ممکنہ حد تک استعمال کریں اور کفر وباطل کی راہ روکنے کی کوشش کریں، لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ ہم خواہ مخواہ نت نئے انداز اور جائز وناجائز حربے استعمال کرنے کی سعی وکوشش میں ہلکان ہوا کریں۔

اگر اس کی ضرورت ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اجازت دیتے اور وہ تمام اسباب وذرائع جو کفر وشرک کی اشاعت میں استعمال ہوتے ہیں، ان کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اجازت ہوتی، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اغوائے انسانی کے لئے اولاد آدم کے قلوب میں وساوس ڈالنے، دور بیٹھ کران پر تسلط حاصل کرنے کا اختیار دیا ہے، مگر نبی آخرالزمان حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار نہیں دیا گیا، اسی طرح حدیث نبوی کے مطابق: شیطان انسان کے بدن میں ایسے دوڑتا ہے جیسے خون دوڑتا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانی خون میں دوڑنے کی اجازت تھی؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

ایسے ہی شیطان انسانی قلوب واذہان کی اسکرین پر اپنے وساوس کے ذریعے گناہوں اور بدکاریوں کی ننگی اور بلیو پرنٹ فلم دکھا کران کو گناہوں اور بدکاریوں پر آمادہ کرتا ہے، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانی قلوب واذہان پر تسلط نہیں دیا گیا بلکہ فرمایا گیا: ''ان انت الا نذیر'' (فاطر:۲۳)..... آپ تو صرف ڈرسنانے والے ہیں..... اسی طرح دوسری جگہ فرمایا: ''لست علیھم بمصیطر'' (غاشیہ:۲۲)..... یعنی آپ ان کے نگران نہیں ہیں کہ نہ مانیں تو آپ سے پوچھ ہوگی.....

اگر اس کی اجازت یا ضرورت ہوتی جس قدر شیطان کو کفر وشرک کی اشاعت کے لئے یہ قوت واستعداد دی گئی تھی، اس سے زیادہ ضروری تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اشاعت اسلام کے لئے ان چیزوں سے نوازا جاتا، مگر جب اللہ تعالیٰ نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی تو کیا نعوذ باللہ! ہم اللہ تعالیٰ سے زیادہ اشاعت اسلام کے خواہاں اور انسانوں کی ہدایت وراہ نمائی کے لئے فکر مند ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو ہمیں شرعی حدود سے نکل کر اشاعت اسلام کے لئے زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔

۱۳:..... اسی طرح ٹی وی کے جواز اور ضرورت کے لئے یہ استدلال بھی کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کہ اگر ہم نے ٹی وی پر آکر مسلمانوں کی راہ نمائی نہ کی تو لادین قوتیں اس کو دین کے بگاڑنے کے لئے استعمال کریں گی؟ اور اسلام کا حلیہ بگڑ جائے گا اور اسلام اپنی اصلی حالت میں باقی نہیں رہے گا۔

اس لئے کہ سنت اللہ یہی چلی آئی ہے کہ بے شک اسلام کو ڈھانے اور مٹانے کی کوششیں تو ضرور ہوں گی اور ہوتی بھی آئی ہیں، مگر اسلام ختم ہوجائے یا اس میں تحریف ہوجائے یا اس کا حلیہ بگڑ جائے یا اسلام اپنی اصلی حالت میں نہ رہے، ایسا ناممکن ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ: ''مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی رہے گی جو اسلام کو اصلی حالت پر برقرار رکھنے میں محنت وکوشش کرتی رہے گی، اور اہل ہوا و بدعت کی اڑائی دھول کو صاف کرتی رہے گی اور ان پر کسی مخالفت گر کی مخالفت کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔''

چنانچہ سوا چودہ سو سال ہوگئے ہیں، الحمدللہ! آج بھی اسلام اسی طرح تروتازہ ہے۔ حتی کہ شیطان کے انسانی قلوب پر تسلط حاصل ہونے کے باوجود اگر آج تک اسلام محفوظ ہے تو آئندہ بھی انشاء اللہ محفوظ ہی رہے گا، اور آئندہ بھی اس کو تحریف سے بچایا جائے گا۔

۱۴:..... ٹی وی اور ویڈیو فلم سے تبلیغ کا کام لینا یوں بھی ناقابل فہم ہے کہ ٹی وی دیکھنے والے کسی نیک

جذبے اور اصلاح کی غرض سے یہ پروگرام نہیں دیکھتے بلکہ تفریح طبع کے لئے یہ پروگرام دیکھے جاتے ہیں، اس لئے کہ دنیا جانتی ہے کہ ٹی وی پر آنے والے لوگ قابل اعتماد اور ثقہ نہیں بلکہ بازاری اور شہرت کے خواہاں ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج تک نہیں سنا گیا کہ کسی نے ٹی وی کی ''برکت'' سے اسلام قبول کیا ہو، اس سلسلہ میں حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا ایک جواب پڑھئے اور سر دھنیئے!

''یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ویڈیو فلم اور ٹی وی سے تبلیغ اسلام کا کام لیا جاتا ہے، ہمارے یہاں ٹی وی پر دینی پروگرام بھی آتے ہیں لیکن کیا میں بڑے ادب سے پوچھ سکتا ہوں کہ ان دینی پروگراموں کو دیکھ کر کتنے غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے؟ کتنے بے نمازیوں نے نماز شروع کر دی؟ کتنے گناہ گاروں نے گناہوں سے توبہ کر لی؟ لہٰذا یہ محض دھوکا ہے، فواحش کا یہ آلہ جو سر تا سر نجس العین ہے اور ملعون ہے اور جس کے بنانے والے دنیا و آخرت میں ملعون ہیں وہ تبلیغ اسلام میں کیا کام دے گا؟ بلکہ ٹی وی کے یہ دینی پروگرام گمراہی پھیلانے کا ایک مستقل ذریعہ ہیں، شیعہ، مرزائی، ملحد، کمیونسٹ اور ناپختہ علم لوگ ان دینی پروگراموں کے لئے ٹی وی پر جاتے ہیں اور اناپ شناپ جو ان کے منہ میں آتا ہے کہتے ہیں، کوئی ان پر پابندی لگانے والا نہیں اور کوئی صحیح و غلط کے درمیان تمیز کرنے والا نہیں، اب فرمایا جائے کہ یہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہو رہی ہے یا اسلام کے حسین چہرے کو مسخ کیا جا رہا ہے؟؟ رہا یہ سوال کہ فلاں یہ کہتے ہیں اور یہ کرتے ہیں، یہ ہمارے لئے جواز کی دلیل نہیں؟۔'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۷، ص:۳۹۸)

۱۵:...... علماء کو ٹی وی پر آنے کے مشورہ کو اس زاویہ سے بھی دیکھنا چاہئے کہ خدانخواستہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسروں کی اصلاح کی فکر میں ٹی وی پر آنے والے حضرات خود ہی بے وزن ہو جائیں، اس لئے عین ممکن ہے کہ یہ بھی ایک شیطانی چال ہو کہ جو حضرات ٹی وی پر آنا شروع کریں گے کم از کم وہ متفق علیہ تو نہیں رہیں گے، خصوصاً جو حضرات ٹی وی کی حرمت کے قائل ہیں، ان کے ہاں ایسے حضرات کے کسی قول، فعل اور عمل بلکہ فتویٰ کا کوئی اعتبار نہیں رہے گا، گویا دوسروں کی اصلاح ہو یا نہ ہو، کم از کم یہ تو متنازعہ بن جائیں، اور کیونکہ ہادیانِ قوم و وطن کا متنازعہ بن جانا، شیطان اور اس کے بچاریوں کے لئے بہت بڑی فتح ہے۔ اس لئے کہ باطل پرستوں کی کبھی یہ خواہش نہیں رہی کہ مسلمان، کافر یا مشرک بن جائے، بلکہ ان کی خواہش اور کوشش یہ رہی ہے کہ مسلمان، مسلمان نہ رہے، یا کم از کم قابل اعتماد نہ رہے، اگر ایسا ہو تو سوچنا چاہئے کہ ٹی وی پر آنے والے اور اس کے جواز کے قائل علماء جب ٹی وی پر آئیں گے تو وہ اپنے موقف کی حقانیت وصداقت اور مخالفین کی تغلیط فرمائیں گے، ٹھیک اسی طرح جو حضرات مخالف ہوں گے، وہ بھی اپنے موقف کو دلائل وشواہد سے مبرہن کریں گے، اور اپنے مخالفین کے موقف کی تغلیط

کریں گے...... جوان کا فطری اور منطقی حق ہے...... یوں اختلافات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا، اور اہل حق کے آپس میں دست وگریبان ہوتے ہی اسلام دشمنوں کا مقصد پورا ہو جائے گا، کیونکہ وہ دراصل مسلم امہ اور علماء کے اتفاق واتحاد سے ہی سب سے زیادہ خائف اور الرجک ہیں۔

۱۶:...... ٹی وی پر وعظ وبیان اور تقریر ومکالمہ کی ضرورت پر زور دینے والوں کو اس انداز سے بھی سوچنا چاہئے کہ جس اسٹیج اور جس جگہ پر عصیان وطغیان پر مبنی حیاء سوز اور ایمان کش فلمیں، لچر واہیات پروگرام اور گانے گائے جاتے ہوں اور وہاں ''خدا کے لئے'' جیسی خالص کافرانہ اور ملحدانہ فلمیں اور ڈرامے دکھائے جاتے ہوں، وہاں اللہ کا پاک، پاکیزہ کلام، احادیث مبارکہ اور قرآن وسنت کی تعلیمات پر مبنی لیکچروں کا سنانا اور دکھانا جائز بھی ہوگا؟ کہیں یہ قرآن وسنت اور دین وشریعت کی توہین وتنقیص یا سوء ادبی تو نہیں ہوگی؟

کیونکہ سیّد ابراہیم الدسوقی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

> ''اپنے منہ کو تلاوت قرآن مجید کے لئے پاک وصاف رکھا کرو، کیونکہ جو شخص منہ کو حرام بات یا حرام کھانے سے آلودہ کرکے بغیر توبہ کے قرآن مجید پڑھنے لگے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی قرآن کو ناپاکی پر رکھے، ایسے آدمی کا جو حکم ہونا چاہئے وہ سب کو معلوم ہے، بعض اولیاء اپنے مشاہدے میں اس کو باطنی گندگیوں سے زیادہ پلید دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔'' (معارف بہلوی ص:۱۴۱ ج:۴)

نیز اس پر بھی غور فرمایا جائے کہ گندی اور ناپاک جگہ اور غلاظت خانہ یا باتھ روم میں اللہ کا ذکر کرنا اگر ممنوع ہے تو ٹی وی ایسے غلاظت کدہ میں کیا اس کی اجازت ہوگی؟

والله يقول الحق وهو يهدي السبيل

وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه سيدنا محمد وآله واصحابه اجمعين

عصمتِ انبیاء وحرمت صحابہؓ

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

(۲)

انتخاب وترتیب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

ج: حضراتِ صحابہ کرامؓ کو بار بار رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" (اللہ ان سے راضی ہوا' وہ اللہ سے راضی ہوئے) کی بشارت دی گئی اور امت کے سامنے یہ اس شدت وکثرت سے دہرایا گیا کہ صحابہ کرامؓ کا یہ لقب امت کا تکیۂ کلام بن گیا' کسی نبی کا اسم گرامی آپ "علیہ السلام" کے بغیر نہیں لے سکتے اور کسی صحابی رسول ﷺ کا نام نامی "رضی اللہ عنہ" کے بغیر مسلمان کی زبان پر جاری نہیں ہوسکتا' ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ظاہر کو دیکھ کر راضی نہیں ہوا' نہ صرف ان کے موجودہ کارناموں کو دیکھ کر' بلکہ ان کے ظاہر و باطن اور حال و مستقبل کو دیکھ کر ان سے راضی ہوا ہے' یہ گویا اس بات کی ضمانت ہے کہ آخر دم تک ان سے رضائے الٰہی کے خلاف کچھ صادر نہیں ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جس سے خدا راضی ہوجائے' خدا کے بندوں کو بھی اس سے راضی ہوجانا چاہئے۔ کسی اور کے بارے میں تو ظن وتخمین ہی سے کہا جاسکتا ہے کہ خدا اس سے راضی ہے یا نہیں؟ مگر صحابۂ کرامؓ کے بارے میں تو نصِ قطعی موجود ہے' اس کے باوجود اگر کوئی ان سے راضی نہیں ہوتا تو گویا اسے اللہ تعالیٰ سے اختلاف ہے اور پھر اتنی بات کو کافی نہیں سمجھا گیا کہ: "اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا" بلکہ اسی کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ سے راضی ہوئے' یہ ان حضرات کی عزت افزائی کی انتہاء ہے۔

د: حضراتِ صحابہ کرامؓ کے مسلک کو "معیاری راستہ" قرار دیتے ہوئے اس کی مخالفت کو براہِ راست رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کے ہم معنی قرار دیا گیا اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو وعید سنائی گئی چنانچہ ارشاد ہے:

"ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى"۔ (النساء:۱۱۵)

ترجمہ: "اور جو شخص مخالفت کرے رسول اللہ ﷺ کی جبکہ اس کے سامنے ہدایت کھل چکی اور چلے مومنوں کی راہ چھوڑ کر ہم اسے پھیر دیں گے جس طرف پھرتا ہے"۔

آیت میں ''المؤمنین'' کا اولین مصداق اصحاب النبی ﷺ کی مقدس جماعت ہے، رضی اللہ عنہم، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اتباعِ نبوی کی صحیح شکل صحابہ کرامؓ کی سیرت و کردار اور ان کے اخلاق و اعمال کی پیروی میں منحصر ہے اور یہ جب ہی ممکن ہے، جبکہ صحابہؓ کی سیرت کو اسلام کے اعلیٰ معیار پر تسلیم کیا جائے۔

۵: اور سب سے آخری بات یہ کہ انہیں آنحضرت ﷺ کے سایۂ عاطفت میں آخرت کی ہر عزت سے سرفراز کرنے اور ہر ذلت و رسوائی سے محفوظ رکھنے کا اعلان فرمایا گیا جیسا کہ ارشاد ہے:

''یوم لایخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معہ نورھم یسعی بین ایدیھم وبایمانھم''۔ (التحریم:۸)

ترجمہ: ''جس دن رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو مومن ہوئے آپ ﷺ کے ساتھ، ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے داہنے''۔

اس قسم کی بیسیوں نہیں، بلکہ سینکڑوں آیات میں صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب مختلف عنوانات سے بیان فرمائے گئے ہیں اور اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ دین کے سلسلۂ سند کی یہ پہلی کڑی اور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے صحبت یافتہ حضرات کی جماعت - معاذ اللہ - ناقابلِ اعتماد ثابت ہو، ان کے اخلاق و اعمال میں خرابی نکالی جائے اور ان کے بارے میں یہ فرض کرلیا جائے کہ وہ دین کی علمی و عملی تدبیر نہیں کرسکے تو دینِ اسلام کا سارا ڈھانچہ ہل جاتا ہے اور خاکم بدہن رسالت محمدیہ ﷺ مجروح ہوجاتی ہے۔

دنیا کا ایک معروف قاعدہ ہے کہ اگر کسی خبر کو رد کرنا ہو تو اس کے راویوں کو جرح و قدح کا نشانہ بناؤ، ان کی سیرت و کردار کو ملوث کرو اور ان کی ثقاہت و عدالت کو مشکوک ثابت کرو، صحابہ کرامؓ چونکہ دینِ محمدی کے سب سے پہلے راوی ہیں، اس لئے چالاک فتنہ پردازوں نے جب دینِ اسلام کے خلاف سازش کی اور دین سے لوگوں کو بدظن کرنا چاہا تو ان کا سب سے پہلا ہدف صحابہ کرامؓ تھے، چنانچہ تمام فرقِ باطلہ اپنے نظریاتی اختلاف کے باوجود جماعتِ صحابہؓ کو ہدفِ تنقید بنانے میں متفق نظر آتے ہیں، ان کی سیرت و کردار کو داغدار بنانے اور ان کی شخصیت کو نہایت گھناؤنے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی، ان کے اخلاق و اعمال پر تنقیدیں کی گئیں، ان پر مال و جاہ کی حرص میں احکامِ خداوندی سے پہلوتہی کرنے کے الزامات لگائے گئے، ان پر خیانت، غصب اور کنبہ پروری، اقربا نوازی کی تہمتیں لگائی گئیں اور غلو و انتہاء پسندی کی حد ہے کہ جن پاکیزہ ہستیوں کے ایمان کو حق تعالیٰ نے ''معیار'' قرار دے کر ان جیسا ایمان لانے کی لوگوں کو دعوت دی تھی ''اٰمنوا کما اٰمن الناس'' انہی کے ایمان و کفر کا مسئلہ زیرِ بحث لایا گیا اور تکفیر و تفسیق تک نوبت پہنچا دی گئی، جن جانبازوں نے دینِ اسلام کو اپنے خون سے سیراب کیا تھا، انہی کے بارے میں چیخ چیخ کر کہا جانے لگا کہ وہ اسلام کے اعلیٰ معیار پر قائم نہیں رہے تھے، جن مردانِ خدا کے صدق و امانت کی خدا تعالیٰ نے گواہی دی تھی:

”رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه فمنهم من قضیٰ نحبه ومنهم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا“

(الاحزاب:۲۳)

ترجمہ: ”یہ وہ ”مرد“ ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا جو عہد انہوں نے اللہ سے باندھا، بعض نے تو جانِ عزیز تک اسی راستہ میں دے دی اور بعض (بے چینی سے) اس کے منتظر ہیں اور ان کے عزم واستقلال میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی“۔

انہیں کے حق میں بتایا جانے لگا کہ نہ وہ صدق وامانت سے موصوف تھے، نہ اخلاص وایمان کی دولت انہیں نصیب تھی، جن مخلصوں نے اپنے بیوی، بچوں کو، اپنے گھربار کو، اپنے عزیز واقارب کو، اپنے دوست احباب کو، اپنی ہر لذت وآسائش کو، اپنے جذبات وخواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس کے رسول ﷺ پر قربان کردیا تھا، انہی کو یہ طعنہ دیا گیا کہ وہ محض حرص وہوا کے غلام تھے اور اپنے مفاد کے مقابلے میں خدا اور رسول ﷺ کے احکام کی انہیں کوئی پروا نہیں تھی، لقد جئتم شیئا ادا.

ظاہر ہے کہ اگر امت کا معدہ ان بے ہودہ نظریات کی مردہ مکھی کو قبول کرلیتا اور ایک بار بھی صحابۂ کرامؓ امت کی عدالت میں مجروح قرار پاتے تو دین کی پوری عمارت گر جاتی، قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے امان اٹھ جاتا اور یہ دین جو قیامت تک رہنے کے لئے آیا تھا، ایک قدم آگے نہ چل سکتا، مگر یہ سارے فتنے جو بعد میں پیدا ہونے والے تھے علم الٰہی سے اوجھل نہیں تھے، اس کا اعلان تھا: ”والله متم نوره ولو کره الکافرون“ یعنی اور اللہ اپنا نور پورا کرکے رہے گا، خواہ کافروں کو کتنا ناگوار ہو۔

یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بار بار مختلف پہلوؤں سے صحابہ کرامؓ کا تزکیہ فرمایا، ان کی توثیق وتعدیل فرمائی اور قیامت تک کے لئے یہ اعلان فرمادیا:

”اولئک کتب فی قلوبهم الایمان وایدهم بروح منه“ یعنی یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے لکھ دیا ان کے دل میں ایمان اور مدد دی ان کو اپنی خاص رحمت سے۔

ادھر نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کے بے شمار فضائل بیان فرمائے، بالخصوص خلفائے راشدین، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان ذی النورین، حضرت علی المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل کی تو انتہاء کردی، جس کثرت وشدت اور تواتر وتسلسل کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے فضائل ومناقب، ان کے مزایا وخصوصیات اور ان کے اندرونی اوصاف وکمالات کو بیان فرمایا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی امت کے علم میں یہ بات لانا چاہتے تھے کہ انہیں عام افرادِ امت پر قیاس کرنے کی غلطی نہ کی جائے، ان حضرات کا تعلق چونکہ براہ راست آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی سے ہے، اس لئے ان کی محبت عین محبت رسول ہے اور ان کے حق میں ادنیٰ لب کشائی ناقابل معافی جرم فرمایا:

''الله الله فی اصحابی' الله الله فی اصحابی' لاتتخذوهم غرضاً من بعدی' فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم' ومن آذاهم فقد آذانی' ومن آذانی فقد آذی الله ومن آذی الله فیوشک ان یاخذه''۔

(ترمذی)

ترجمہ: ''اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں' مکرر کہتا ہوں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں' ان کو میرے بعد ہدفِ تنقید نہ بنانا' کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر اور جس نے ان سے بدظنی کی تو مجھ سے بدظنی کی بنا پر' جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے''۔

امت کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا گیا کہ تم میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ رو ئی بڑی سے بڑی نیکی ادنیٰ صحابی کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا مقابلہ نہیں کر سکتی' اس لئے ان پر زبانِ تشنیع دراز کرنے کا حق امت کے کسی فرد کو حاصل نہیں' ارشاد ہے:

''لاتسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذهباً ما بلغ احدهم ولانصیفه''۔

(بخاری ومسلم)

ترجمہ: ''میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو (کیونکہ تمہارا وزن ان کے مقابلہ میں اتنا بھی نہیں جتنا پہاڑ کے مقابلہ میں ایک تنکے کا ہو سکتا ہے' چنانچہ تم میں سے ایک شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو ان کے ایک سیر جو کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے عشر عشیر کو''۔

مقام صحابہ کی نزاکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ امت کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ ان کی عیب جوئی کرنے والوں کو نہ صرف ملعون و مردود سمجھیں' بلکہ برملا اس کا اظہار کریں' فرمایا:

''اذا رایتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنة الله علی شرکم''(۱)(ترمذی)

ترجمہ: ''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے اور انہیں ہدفِ تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو تم میں سے یعنی صحابہ اور ناقدین صحابہ میں سے جو برا ہے اس پر اللہ کی لعنت (ظاہر ہے کہ صحابہ کو برا بھلا کہنے والا ہی بدتر ہوگا)

(اس اصول کے علاوہ جو مولانا محترم مدفیوضہم نے اس حدیث سے مستنبط کیا ہے) اس حدیث پاک کے مفہوم و منطوق سے کئی اور اہم مسائل بھی مستنبط ہوتے ہیں' مختصراً ان کی طرف اشارہ کر دینا مفید ہوگا۔

۱- حدیث میں ''سب'' سے بازاری گالیاں دینا مراد نہیں بلکہ ہر ایسا تنقیدی کلمہ مراد ہے جو ان

حضرات کے استخفاف میں کہا جائے اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ پر تنقید اور نکتہ چینی جائز نہیں بلکہ وہ قائل کے ملعون ومطرود ہونے کی دلیل ہے۔

۲- آنحضرت ﷺ کے قلب اطہر کو اس سے ایذا ہوتی ہے (قد صرح به بقوله فمن آذاهم فقد آذاني) اور آپ ﷺ کے قلب اطہر کو ایذا دینے میں حبط اعمال کا خطرہ ہے لقولہ تعالیٰ ''ان تحبط اعمالكم وانتم لاتشعرون''

۳- صحابہ کرامؓ کی مدافعت کرنا اور ناقدین کو جواب دینا ملت اسلامیہ کا فرض ہے ''فان الامر للوجوب''۔

۴- آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ناقدین صحابہ کو ایک ایک بات کا تفصیلی جواب دیا جائے کیونکہ اس سے جواب اور جواب الجواب کا ایک غیر مختتم سلسلہ چل نکلے گا بلکہ یہ تلقین فرمائی کہ انہیں بس اصولی اور فیصلہ کن جواب دیا جائے اور وہ ہے لعنة الله علی شرکم

۵- ''شرکم'' اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو مشاکلت کے طور پر استعمال ہوا ہے اس میں آنحضرت ﷺ نے ناقدین صحابہؓ کے لئے ایسا کنایہ استعمال فرمایا ہے کہ اگر وہ اس پر غور کریں تو ہمیشہ کے لئے تنقید صحابہ کے روگ کی جڑ کٹ جاتی ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اتنی بات تو بالکل کھلی ہے کہ صحابہؓ کیسے ہی ہوں مگر تم سے تو اچھے ہی ہوں گے تم ہوا پر اڑلو آسمان پر پہنچ جاؤ سو بار مر کر جی لو مگر تم سے صحابی تو نہیں بنا جا سکے گا تم آخر وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے جمال جہاں آرائے محمد ﷺ کا دیدار کیا؟ وہ کان کہاں سے لاؤ گے جو کلمات نبوت سے مشرف ہوئے؟ ہاں وہ دل کہاں سے لاؤ گے جو انفاس مسیحائی محمدی سے زندہ ہوئے؟ وہ دماغ کہاں سے لاؤ گے جو انوار مقدس سے منور ہوئے؟ تم وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو ایک بار بشرہ محمدی سے مس ہوئے اور ساری عمران کی بوئے عنبریں نہیں گئی؟ تم وہ پاؤں کہاں سے لاؤ گے جو معیت محمدی میں آبلہ پا ہوئے؟ تم وہ زمان کہاں سے لاؤ گے جب آسمان زمین پر اتر آیا تھا؟ تم وہ مکان کہاں سے لاؤ گے جہاں کونین کی سیادت جلوہ آرا تھی؟ تم وہ محفل کہاں سے لاؤ گے جہاں سعادت دارین کی شراب طہور کے جام بھر بھر دیتے جاتے اور تشنہ ''کامان محبت'' ''ہل من مزید'' کا نعرہ مستانہ لگا رہے تھے؟ تم وہ منظر کہاں سے لاؤ گے جو کانی اری اللہ عیاناً کا کیف پیدا کرتا تھا؟ تم وہ مجلس کہاں سے لاؤ گے جہاں كأنما علی رؤسنا الطير کا سماں بندھ جاتا تھا؟ تم وہ صدر نشین تخت رسالت کہاں سے لاؤ گے جس کی طرف هذا الابیض المتکی سے اشارے کئے جاتے تھے؟ تم وہ شمیم عنبر کہاں سے لاؤ گے جو دیدار محبوب میں خواب نیم شبی کو حرام کر دیتی تھی؟ تم وہ ایمان کہاں سے لاؤ گے جو ساری دنیا کو تج کر حاصل کیا جاتا تھا؟ تم وہ اعمال کہاں سے لاؤ گے جو پیمانہ نبوت سے ناپ ناپ کر ادا کئے جاتے تھے؟ تم وہ اخلاق کہاں سے لاؤ گے جو آئینہ محمدی سامنے رکھ کر سنوارے جاتے تھے؟ تم وہ رنگ کہاں سے لاؤ گے جو ''صبغة الله'' کی بھٹی میں دیا جاتا تھا؟ تم وہ ادائیں کہاں سے لاؤ گے جو دیکھنے والوں کو نیم بسمل بنا دیتی تھیں؟ تم وہ نماز کہاں سے لاؤ گے جس کے

امام نبیوں کے امام تھے؟ تم قدوسیوں کی وہ جماعت کیسے بن سکو گے جس کے سردار رسولوں کے سردار تھے۔

تم میرے صحابہ کو لاکھ برا کہو مگر اپنے ضمیر کا دامن جھنجھوڑ کر بتاؤ! اگر ان تمام سعادتوں کے بعد بھی میرے صحابہؓ برے ہیں تو کیا تم ان سے بدتر نہیں ہو؟ اگر وہ تنقید و ملامت کے مستحق ہیں تو کیا تم لعنت و غضب کے مستحق نہیں ہو؟ اگر میرے صحابہؓ کو بدنام کرتے ہو تو کیا میرا خدا تمہیں سر محشر سب کے سامنے رسوا نہیں کرے گا؟ اگر تم میں انصاف و حیا کی کوئی رمق باقی ہے تو اپنے گریبان میں جھانکو اور میرے صحابہؓ کے بارے میں زبان بند کرو اور اگر تمہارا ضمیر بالکل مسخ ہو چکا ہے تو بھری دنیا یہ فیصلہ کرے گی کہ میرے صحابہؓ پر تنقید کا حق ان کپوتوں کو حاصل ہونا چاہئے؟

علامہ طیبؒ نے اسی حدیث کی شرح میں حضرت حسان کا ایک عجیب شعر نقل کیا ہے:

اتھجوہ ولست لہ بکفوء　　فشر کما لخیر کما فداء

ترجمہ:۔ ''کیا تو آپ ﷺ کی ہجو کرتا ہے جب کہ تو آپ ﷺ کے برابر کا نہیں ہے؟ پس تم دونوں میں بدتر تمہارے بہتر پر قربان''۔

۶- حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنقید صحابہ کا منشا ناقد کا نفسیاتی شر اور خبث و تکبر ہے' آپ جب کسی شخص کے طرز عمل پر تنقید کرتے ہیں تو اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ کسی صفت میں وہ آپ کے نزدیک خود آپ کی اپنی ذات سے فروتر اور گھٹیا ہے' اب جب کوئی شخص کسی صحابی کے بارے میں مثلاً یہ کہے گا کہ اس نے عدل وانصاف کے تقاضوں کو کما حقہ ادا نہیں کیا تھا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر اس صحابی کی جگہ یہ صاحب ہوتے تو عدل وانصاف کے تقاضوں کو زیادہ بہتر ادا کرتے' گویا ان میں صحابی سے بڑھ کر صفت عدل موجود ہے' یہ ہے تکبر کا وہ ''شر'' اور نفس کا وہ خبث جو تنقید صحابہ پر ابھارتا ہے اور آنحضرت ﷺ اسی ''شر'' کی اصلاح اس حدیث میں فرمانا چاہتے ہیں۔

۷- حدیث میں بحث و مجادلہ کا ادب بھی بتایا گیا ہے یعنی خصم کو براہ راست خطاب کرتے ہوئے یہ نہ کہا جائے کہ تم پر لعنت! بلکہ یوں کہا جائے کہ تم دونوں میں جو برا ہو اس پر لعنت! ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی منصفانہ بات ہے جس پر سب کو متفق ہونا چاہئے' اس میں کسی کے برہم ہونے کی گنجائش نہیں' اب رہا یہ قصہ کہ ''تم دونوں میں برا'' کا مصداق کون ہے؟ خود ناقد؟ یا جس پر وہ تنقید کرتا ہے؟ اس کا فیصلہ کوئی مشکل نہیں' دونوں کے مجموعی حالات سامنے رکھ کر ہر معمولی عقل کا آدمی یہ نتیجہ آسانی سے نکال سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا صحابی برا ہو سکتا ہے یا اس کا خوش فہم ناقد؟

۸- حدیث میں ''فقولوا'' کا خطاب امت سے ہے' گویا ناقدین صحابہؓ کو آنحضرت ﷺ اپنی امت نہیں سمجھتے' بلکہ انہیں امت کے مقابل فریق کی حیثیت سے کھڑا کرتے ہیں اور یہ ناقدین کیلئے شدید وعید ہے جیسا کہ بعض دوسرے معاصی پر'' فلیس منا'' کی وعید سنائی گئی ہے۔

۹- حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو جس طرح ناموس شریعت کا اہتمام تھا' اسی طرح

ناموسِ صحابہ کی حفاظت کا بھی اہتمام تھا، کیونکہ ان ہی پر سارے دین کا مدار ہے

۱۰- حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناقدین صحابہؓ کی جماعت بھی ان ''مارقین'' سے ہے جن سے جہاد باللسان کا حکم امت کو دیا گیا ہے، یہ مضمون کئی احادیث میں صراحۃً بھی آ رہا ہے۔

یہاں تمام احادیث کا استیعاب مقصود نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ ان قرآنی ونبوی شہادتوں کے بعد بھی اگر کوئی شخص حضرات صحابۂ کرامؓ میں عیب نکالنے کی کوشش کرے تو اس کا بات سے قطع نظر کہ اس یہ طرزِ عمل قرآن کریم کی نصوصِ قطعیہ اور ارشادات نبوت کے انکار کے مترادف ہے، یہ لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر جو فرائض بحیثیت منصبِ نبوت کے عائد کئے تھے اور جن میں اعلیٰ ترین منصب تزکیہ نفوس کا تھا، گویا حضرت رسالت پناہ ﷺ اپنے فرضِ منصبی کی بجا آوری سے قاصر رہے اور تزکیہ نہ کر سکے اور یہ قرآن کریم کی صریح تکذیب ہے، حق تعالیٰ تو ان کے تزکیہ کی تعریف فرمائے اور ہم انہیں مجروح کرنے میں مصروف رہیں اور جب نبی کریم ﷺ ان کے تزکیہ سے قاصر رہے تو گویا حق تعالیٰ نے آپ کا انتخاب صحیح نہیں فرمایا تھا- اناللہ- بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے انتخاب میں قصور نکلا تو اللہ تعالیٰ کا عمل غلط ہوا- **نعوذ باللہ من الغوایۃ والسفاھۃ** - چنانچہ اہل ہوا کی بڑی جماعت کا دعویٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ''بدا'' ہوتا ہے، یعنی اسے بہت سی چیزیں جو پہلے معلوم نہیں تھیں، بعد میں معلوم ہوتی ہیں اور اس کا پہلا علم غلط ہو جاتا ہے، جن لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ تصور ہو، رسول اور نبی اور ان کے بعد صحابہ کرامؓ کا ان کے نزدیک کیا درجہ رہے گا؟

الغرض صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنے، ان کی غلطیوں کو اچھالنے اور انہیں موردِ الزام بنانے کا قصہ صرف ان ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ خدا اور رسول، کتاب وسنت اور پورا دین اس کی لپیٹ میں آ جاتا ہے اور دین کی ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے، بعید نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں جو اوپر نقل کیا گیا ہے، اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہو:

''من آذاھم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللہ، ومن آذی اللہ فیوشک ان یاخذہ''۔

ترجمہ: ''جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی، اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے''۔

اور یہی وجہ ہے کہ تمام فرقِ باطلہ کے مقابلہ میں اہلِ حق کا امتیازی نشان صحابہ کرامؓ کی عظمت ومحبت رہا ہے، تمام اہلِ حق نے اپنے عقائد میں اس بات کو اجماعی طور پر شامل کیا ہے کہ: **''وتکف عن ذکر الصحابۃ الا بخیر''** یعنی اور ہم صحابہؓ کا ذکر بھلائی کے سوا کسی اور طرح کرنے سے زبان بند رکھیں گے۔

گویا اہلِ حق اور اہلِ باطل کے درمیان امتیاز کا معیار صحابۂ کرامؓ کا ''ذکر بالخیر'' ہے، جو شخص ان حضرات کی غلطیاں چھانٹتا ہو، ان کو موردِ الزام قرار دیتا ہو اور ان پر سنگین اتہامات کی فردِ جرم عائد کرتا ہو وہ اہلِ حق میں شامل نہیں ہے۔

جو حضرات اپنے خیال میں بڑی نیک نیتی، اخلاص اور بقول ان کے وقت کے اہم ترین تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے قبائح صحابہ کو ایک مرتب فلسفہ کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور اسے ''تحقیق'' کا نام دیتے ہیں، انہیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس تسوید اوراق کا انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ جدید نسل کو دین کے نام پر دین سے بیزار کردیا جائے اور ہرایرے وغیرے کو صحابہ کرامؓ پر تنقید کی کھلی چھٹی دے دی جائے جنہیں نہ علم ہے نہ عقل، نہ فہم ہے نہ فراست۔ اور یہ نرا اندیشہ ہی اندیشہ نہیں بلکہ کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ ہونے لگا ہے۔ الامان والحفیظ کہا جاتا ہے کہ:

''ہم نے کوئی نئی بات نہیں کہی، بلکہ تاریخ کی کتابوں میں یہ سارا مواد موجود تھا، ہمارا قصور صرف یہ ہے کہ ہم نے اسے جمع کردیا ہے''۔

افسوس ہے کہ یہ عذر پیش کرتے ہوئے بہت سی اصولی اور بنیادی باتوں کو نظر انداز کردیا گیا ہے، ورنہ بادنیٰ تامل واضح ہوجاتا کہ صرف اتنا عذر طعن صحابہ کی وعید سے بچنے کے لئے کافی نہیں اور نہ اتنی بات کہہ کر بری الذمہ ہوسکتے ہیں۔

اولاً: قرآن کریم کی نصوص قطعیہ، احادیث ثابتہ اور اہل حق کا اجماع صحابہ کی عیب چینی کی ممانعت پر متفق ہیں، ان قطعیات کے مقابلہ میں تاریخی قصہ کہانیوں کا سرے سے کوئی وزن ہی نہیں، تاریخ کا موضوع ہی ایسا ہے کہ اس میں تمام رطب ویابس اور صحیح وسقیم چیزیں جمع کی جاتی ہیں، صحت کا جو معیار ''حدیث'' میں قائم رکھا گیا ہے، تاریخ میں وہ معیار نہ قائم رہ سکتا تھا، نہ اسے قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، اس لئے حضرات محدثین نے ان کی صحت کی ذمہ داری اٹھانے سے انکار کردیا ہے، حافظ عراقی فرماتے ہیں:

ولیعلم الطالب ان السیر
یجمع ما قد صح وما قد انکرا

یعنی علم تاریخ وسیر صحیح اور منکر سب کو جمع کرلیتا ہے۔

اب جو شخص کسی خاص مدعا کو ثابت کرنے کے لئے تاریخی مواد کو کھنگال کر تاریخی روایات سے استدلال کرنا چاہتا ہے اسے عقل وشرع کے تمام تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف یہ دیکھ لینا کافی نہیں ہے کہ یہ روایت فلاں فلاں تاریخ میں لکھی ہے، بلکہ جس طرح وہ یہ سوچتا ہے کہ یہ روایت اس کے مقصد ومدعا کے لئے مفید ہے یا نہیں؟ اسی طرح اسے اس پر بھی غور کرلینا چاہئے کہ کیا یہ روایت شریعت یا عقل سے متصادم تو نہیں؟ اس اصول کی وضاحت کے لئے یہاں صرف ایک مثال کا پیش کرنا کافی ہوگا۔

آپ ''خلیفۂ راشد'' اسے کہتے ہیں جو ٹھیک ٹھیک منہاج نبوت پر قائم ہو اور اس کا کوئی عمل اور کوئی فیصلہ منہاج نبوت کے اعلیٰ معیار سے ہٹا ہوا نہ ہو، اب آپ ایک صحابیؓ کو خلیفۂ راشد تسلیم کرتے ہوئے اس پر یہ الزام عائد

کرتے ہیں کہ انہوں نے بلا کسی استحقاق کے مال غنیمت کا پورا خمس (۵/لاکھ دینار) اپنے فلاں رشتہ دار کو بخش دیا تھا۔

سوال یہ ہے کہ ''خلافت راشدہ'' اور منہاج نبوت یہی ہے جس کی تصویر اس افسانے میں دکھائی گئی ہے؟ اور آج کے ماحول میں اس روایت کو من وعن تسلیم کرنے سے کیا یہ ذہن نہیں بنے گا کہ خلافت راشدہ کا معیار بھی آج کے جابر حکمرانوں سے کچھ زیادہ بلند نہیں ہوگا جو اپنے رشتہ داروں کو روٹ پرمٹ اور امپورٹ لائسنس مرحمت فرماتے ہیں؟ اسی پر ان دوسرے الزامات کو قیاس کر لیجئے جو بڑی شان تحقیق سے عائد کئے گئے ہیں۔

ثانیاً: یہ تاریخی روایات آج یکا یک نہیں ابھر آئی ہیں' بلکہ اکابر اہل حق کے سامنے یہ سارا کچھ موجود رہا ہے اور وہ اس کی مناسب تاویل وتوجیہ کر چکے ہیں' جس سے معلوم ہوا کہ ان تاریخی واقعات کو بڑی آسانی سے کسی اچھے محمل پر محمول کیا جاسکتا ہے' اب ایک شخص اٹھتا ہے اور ''بے لاگ تحقیق'' کے شوق میں ان کے ایسے محمل تلاش کرتا ہے' جس سے صحابہ کرامؓ کی صریح تنقیص اوران کی سیرت وکردار کی گراوٹ مفہوم ہوتی ہے' کیا اس کے بارے میں یہ حسنِ ظن رکھا جائے کہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں وہ ''حسن ظن'' رکھتا ہے؟

اور عجیب بات یہ کہ جب اس کے سامنے اکابر اہل حق کے طرز تحقیق کا حوالہ دیا جاتا ہے تو ان حضرات کو ''وکیلِ صفائی'' کہہ کر ان کی تحقیقات کو قابلِ التفات نہیں سمجھتا' غالباً یہ دنیا کی نرالی عدالت ہے جس میں ''وکیلِ استغاثہ'' کے بیان پر یک طرفہ فیصلہ دیا جائے اور وکیلِ صفائی کے بیانات کو اس جرم میں نظر انداز کردیا جائے کہ وہ کسی مظلوم کی طرف سے صفائی کا وکیل بن کر کیوں کھڑا ہوگیا ہے' اوپر قرآن وسنت کی جن نصوص کا حوالہ دیا گیا اور اہل حق کے جس اجماعی فیصلہ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوگا کہ صرف حافظ ابن تیمیہؒ اور شاہ عبد العزیزؒ ہی نہیں' بلکہ خدا اور رسول اور پوری امت کے اہل حق' صحابہ کرامؓ کے ''وکیل صفائی'' ہیں' اب یہ فیصلہ کرنا ہر شخص کی اپنی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ وکیلِ صفائی کی صف میں شامل ہونا پسند کرتا ہے یا وکیلِ استغاثہ کی صف میں۔

ثالثاً: ان تاریخی روایات کے متفرق جزئی واقعات کو چن چن کر جمع کرنا' انہیں ایک مربوط فلسفہ بنا ڈالنا' جزئیات سے کلیات اخذ کر لینا اور ان پر ایسے جلی اور چبھتے ہوئے عنوانات جمانا جنہیں آج کی چودھویں صدی کا فاسق سے فاسق بھی اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کرے گا' یہ نہ تو دین وملت کی کوئی خدمت ہے' نہ اسے اسلامی تاریخ کا صحیح مطالعہ کہا جاسکتا ہے' البتہ اسے تاریخ سازی کہنا بجا ہوگا۔ بقول سعدیؒ

''ولیکن قلم درکفِ دشمن است''

میں پوچھتا ہوں کیا کوئی ادنیٰ مسلمان اپنے بارے میں یہ سننا پسند کرے گا کہ اس نے خدائی دستور کو بدل ڈالا؟ اس نے بیت المال کو گھر کی لونڈی بنایا؟ اس نے مسلمانوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی سلب کرلی؟ اس نے عدل وانصاف کی مٹی پلید کرڈالی؟ اس نے دیدہ ودانستہ نصوصِ قطعیہ سے سرتابی کی؟

اس نے خدائی قانون کی بالادستی کا خاتمہ کرڈالا؟ اس نے اقربا پروری وخویش نوازی کے ذریعہ لوگوں کی حق تلفی کی؟

کیا کوئی معمولی قسم کا متقی اور پرہیزگار آدمی ان جگر پاش اتہامات کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرلے گا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو کیا صحابہ کرامؓ ہم نالائقوں سے بھی گئے گذرے ہوگئے؟ کہ ایک دو نہیں' بلکہ مثالب وقبائح اور اخلاقی گراوٹ کی ایک طویل فہرست ان کے نام جڑ دی جائے' پھر بے لاگ تحقیق کے نام سے اسے اچھالا جائے اور روکنے اور ٹوکنے کے باوجود اس پر اصرار کیا جائے۔

کیا صحابہ کرامؓ کی عزت وحرمت یہی ہے؟ کیا اسی کا نام صحابہؓ ''ذکر بالخیر'' ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کے معزز صحابہؓ اسی احترام کے مستحق ہیں؟ کیا ایمانی غیرت کا یہی تقاضا ہے؟ کیا مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھول جانا چاہئے:

> ''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو ان کے جواب میں یہ کہو' تم میں سے (یعنی صحابہ کرامؓ اور ان کے ناقدین میں سے) جو برا ہو اس پر اللہ کی لعنت!''۔ (ترمذی)

آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ بعد کی امت کے لئے حق وباطل کا معیار ہیں' انہیں معیتِ نبوی کا جو شرف حاصل ہوا' اس کے مقابلہ میں کوئی بڑی سے بڑی فضیلت ایک جو کے برابر بھی نہیں' کسی بڑے سے بڑے ولی اور قطب کو ان کی خاک پا بننے کا شرف حاصل ہوجائے تو اس کے لئے مایۂ صد افتخار ہے' اس لئے امت کے کسی فرد کا خواہ وہ اپنی جگہ مفکر دوران اور علامۂ زماں ہی کہلواتا ہو' ان پر تنقید کرنا قلبی زیغ کی علامت ہے۔ ایاز! قدر خویش شناس!! یہ دنیا حق وباطل کی آماجگاہ ہے' یہاں باطل حق کا لبادہ اوڑھ کر آتا ہے' بسا اوقات ایک آدمی اپنے غلط نظریات کو صحیح سمجھ کر ان سے چمٹا رہتا ہے' جس سے رفتہ رفتہ اس کے ذہن میں کجی آجاتی ہے اور بالآخر اس سے صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کی استعداد ہی سلب ہوجاتی ہے اور یہ بڑی خطرناک بات ہے' اہل حق وتحقیق کی یہ شان نہیں کہ وہ ''میں یہ سمجھتا ہوں'' کی برخود غلط فہمی میں مبتلا ہوں اور جب انہیں اخلاص وخیر خواہی سے تنبیہ کی جائے تو تاویلات کا ''ضمیمہ'' لگانے بیٹھ جائیں' اہل حق کی شان تو یہ ہے کہ اگر ان کے قلم وزبان سے کوئی نامناسب لفظ نکل جائے تو تنبیہ کے بعد فوراً حق کی طرف پلٹ آئیں۔ حق تعالیٰ جل ذکرہ ہمیں اور ہمارے تمام مسلمان بھائیوں کو ہر زیغ وضلال سے محفوظ فرمائے' اور اتباع حق کی توفیق بخشے۔

ربنا لاتزغ قلوبنا بعد إذ هديتنا وهب لنا من لدنک رحمة إنک أنت الوهاب.

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه صفوة البرية محمد وعلیٰ آله وأصحابه وأتباعه أجمعين. آمين

دورِ جاہلیت کا تسلسل اور مشرکین مکہ کی میراث

ڈی این اے ٹیسٹ اور ثبوتِ نسب

سعید احمد جلال پوری

مغرب میں بڑھتی ہوئی بے راہ روی کے نتیجہ میں آئے دن نت نئے مسائل پیدا ہورہے ہیں۔ چنانچہ مغربی ممالک میں پیدا ہونے والے بچوں کے نسب کی شناخت بھی ایک پیچیدہ مسئلہ بن چکی ہے۔ چند ماہ قبل ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعہ سلسلہ نسب کی تحقیق کے بارہ میں ایک سوال نامہ ایک قاری نے ارسال کیا۔ سوال کی اہمیت اور دورِ حاضر میں اس حوالہ سے بڑھتے ہوئے مسائل کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سوال اور اس کے جواب کو قارئین کی دلچسپی کے لئے شائع کیا جائے تاکہ انہیں اندازہ ہو کہ دورِ جدید کے بڑھتے ہوئے مسائل کا اسلام کیا حل پیش کرتا ہے۔ (ادارہ)

سوال:...... گزشتہ دنوں اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ایک امریکی خاتون کے ہاں بیٹی کی ولادت ہوئی۔ ولادت کے چند دنوں بعد ماں کا انتقال ہوگیا۔ ماں کی زندگی ہی میں تین افراد نے اس بچی کے باپ ہونے کا دعویٰ کردیا، جن میں سے ایک صاحب کے نام کو بچی کی ماں نے اپنی بیٹی کے نام کا حصہ بھی بنادیا۔

بعد ازاں بات ڈی این اے ٹیسٹ تک جا پہنچی کہ ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعہ فیصلہ کیا جائے گا کہ بچی کا اصل باپ کون ہے؟ اور اس طرح ٹیسٹ کے بعد تینوں دعویداروں میں سے ایک کے حق میں فیصلہ دیدیا گیا کہ وہ اس بچی کا باپ ہے۔ سوال یہ ہے کہ:

۱:...... کیا والد کی شناخت کے لئے ڈی این اے ٹیسٹ کا طریقہ اسلامی قانون کی رو سے درست ہے؟

۲:...... اگر خدانخواستہ ایسا کوئی معاملہ کسی ترقی پسند مسلم ملک میں پیش آجاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کا قانون اس معاملہ میں کیا فیصلہ کرتا ہے؟ اور کس شخص کو اس بچی کا باپ قرار دیتے ہوئے اس کی پرورش کا حق دیتا ہے؟

سائل: یوسف سیّد (یو۔اے۔ای)

جواب:...... کسی بچے یا بچی کے باپ کی تعیین کے لئے ڈی این اے ٹیسٹ کرانا اور اس کے ذریعہ اس کا تعین کرنا کہ اس کا باپ فلاں شخص ہے، نہایت گھناؤنا اور غلیظ انداز ہے۔ بلاشبہ یہ انداز کسی مہذب معاشرے سے میل نہیں کھاتا، اگر دیکھا جائے تو یہ طریقہ کار آج سے چودہ سو سال قدیم اور مادر پدر آزاد جاہلی معاشرہ کی یادگار ہے، دورِ حاضر کے جدت پسند اور ترقی کے دعویدار لاکھ ترقی کے دعوے کریں، مگر سچ یہ ہے کہ وہ آج بھی

زمانہ جاہلیت کی غلاظت کی دلدل میں غرق ہیں اور وہ آج بھی گندگی اور غلاظت کے کیڑے کی طرح غلاظت کے ڈھیر میں سرگرداں ہیں جس طرح مشرکین مکہ اس میں غرق تھے باایں ہمہ دعویٰ یہ ہے کہ ہم نے ترقی کرلی ہے ہم ترقی یافتہ ہیں اور مسلمان غیر مہذب اور غیر ترقی یافتہ ہیں۔

قبل از اسلام زمانہ جاہلیت کے لوگ بھی ایسے بے باپ کے بچوں کی نسبت معلوم کرنے کے لئے ٹھیک اسی طرح کا انداز اپناتے تھے جس طرح آج کے یہ نام نہاد مہذب اپنا رہے ہیں اس لئے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ امریکا میں رائج یہ طریقہ کار دورِ جاہلیت کا تسلسل اور مشرکین مکہ کی میراث ہے گویا دنیائے عیسائیت و یہودیت اور معاندین اسلام نے ترقی معکوس کی ہے۔ چنانچہ پورے چودہ سو سال کا سفر کرکے بھی آج وہ پھر اسی جگہ واپس آگئے ہیں جہاں ان کے آباؤ اجداد زنا کی اولاد کے نسب کی تعیین میں کھڑے تھے چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زمانہ جاہلیت کے بے حیائی پر مشتمل اس طریقہ کار کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

”یجتمع الناس الکثیر فیدخلون علی المرأة لا تمتنع ممن جاء ھا وھنَّ البغایا‘ کنَّ ینصبن علی ابوابھن رایات تکون عَلَماً فمن ارادھنَّ دخل علیھن‘ فاذا حملت احداھن ووضعت حملھا جمعوا لھا ودعوا لھم القافة ثم الحقوا ولدھا بالذی یرون فالتاط بہ ودعی ابنہ لایمتنع من ذلک‘ فلما بعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالحق ھدم نکاح الجاھلیة کلہ الا نکاح الناس الیوم۔“ (صحیح بخاری ج:۲ ص:۷۶۹ تا ۷۷۰)

ترجمہ:۔”بہت سارے لوگ جمع ہوکر کسی خاتون سے بدکاری کرتے‘ وہ خاتون اپنے پاس آنے والے کسی مرد کو اس لئے نہ روکتی کہ وہ کسبی اور زناکار ہوتی‘ ایسی خواتین کے دروازے پر علامت کے طور پر جھنڈے لگے ہوتے تھے جو آدمی زناکاری اور بدکاری کرنا چاہتا‘ اس کے پاس چلا جاتا‘ پس ان میں سے کوئی خاتون ان زانیوں میں سے کسی سے حاملہ ہوجاتی اور بچہ جنتی‘ تو اس سے زناکاری کرنے والے سب لوگوں کو جمع کیا جاتا اور قیافہ شناسوں کو بلایا جاتا...... کہ اس کا تعین کریں کہ یہ بچہ ان میں سے کس کا ہے؟...... پس قیافہ شناس جس کے بارہ میں فیصلہ کرتے‘ وہ بچہ اسی کا کہلاتا اور وہ شخص اس بچے کی نسب کا انکار نہ کرسکتا تھا...... جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر مبعوث فرمایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کے تمام نکاحوں...... کاموں...... سے منع فرمایا اور صرف اس نکاح کو باقی رکھا جو آج...... مسلمانوں میں...... رائج ہے۔“

اس تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دورِ حاضر کا ترقی یافتہ طریقہ کار زمانہ جاہلیت کے طریق

اور انداز سے ذرہ بھر مختلف نہیں، بلکہ اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو مشرکین مکہ اور قبل از اسلام جاہلیت کے علمبردار دورِ حاضر کے ترقی کے دعویداروں سے ایک قدم آگے تھے، کیونکہ وہ ایسے بچے کا باپ معلوم کرنے کے لئے کسی مشینی ٹیسٹ کے محتاج نہیں تھے، بلکہ وہ محض قیافہ کی مدد سے یہ کام سرانجام دے لیتے تھے، جبکہ ان کے جانشین اور ترقی کے دعویداروں کو ایسی حرامی اولادوں کے باپ کے تعین کے لئے ایک نہیں، دسیوں ڈی این اے ٹیسٹ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

الغرض یہ طریقہ کار مشرکین مکہ کی غلیظ سوسائٹی اور متعفن و بدبودار معاشرہ کی میراث ہے، اسلام بلکہ کوئی باحیا اور باغیرت انسانی معاشرہ اس کی اجازت نہیں دیتا، گویا اس طریقہ کار سے زنا اور اولادِ زنا کو قانونی تحفظ دیا جاتا ہے، جبکہ اسلام نے ایسی تمام بے حیائی اور بے شرمی کی صورتوں کی شدت سے نفی کی ہے اور زنا جیسی بدکاری کی حوصلہ افزائی کے بجائے اس پر سخت سزاؤں کا نفاذ و اجرا کرتے ہوئے حکم دیا ہے کہ اگر ایسا کوئی مجرم پایا جائے اور اس کا جرم ثابت ہو جائے تو اس پر سخت سے سخت سزا دی جائے، چنانچہ اگر ایسے جرم کا مرتکب شادی شدہ ہو تو اسے پتھر مار مار کر مار دیا جائے اور اگر وہ غیر شادی شدہ ہے تو اسے سو کوڑے لگائے جائیں اور یہ سب کچھ علی رؤس الاشہاد ہو، تاکہ دوسروں کو اس سے عبرت ہو اور معاشرہ سے اس بے حیائی و بے شرمی کی جڑ اور بنیاد ہی ختم ہو جائے، نہ یہ کہ اس کو اچھالا جائے اور بدکار و زناکاروں کو باپ کا مقام دے کر ایک معصوم پر ولد الزنا ہونے کی تہمت دھری جائے۔

تاہم اگر ایسی کوئی صورت ہو کہ کوئی بدکردار کسی خاتون پر یہ الزام لگائے کہ میں نے اس سے بدکاری کی ہے اور یہ بچہ میرا ہے، یا کوئی خاتون فریاد کرے کہ مجھ پر زیادتی ہوئی ہے اور اس کے نتیجہ میں یہ حمل ٹھہر گیا ہے، تو اس صورت میں بچہ تو اس کا ہوگا، جس کے نکاح میں وہ عورت ہے، البتہ زانی کو سنگسار کیا جائے گا، اس لئے حکم دیا گیا کہ: ''الولد للفراش وللعاھر الحجر''۔ (ترمذی، ج:۲، ص:۱۳۸)...... بچہ اس کا ہے، جس کا نکاح ہے اور زناکار کے لئے صرف پتھر ہی ہیں......

جیسا کہ اسی طرح کا ایک واقعہ صحیح بخاری شریف میں بھی ہے:

''......ان عائشة قالت كان عتبة بن ابی وقاص عهد الی اخیه سعد ان يقبض ابن وليدة زمعة، فاقبل به الى رسول الله صلى الله عليه وسلم، واقبل معه عبد بن زمعة، قال سعد بن ابی وقاص هذا ابن اخی، عهد الیَّ انه ابنه، قال عبد بن زمعة يا رسول الله! هذا اخی، هذا ابن زمعة وُلد على فراشه، فنظر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى ابن وليدة زمعة فاذا اشبه الناس بعتبة ابن ابی وقاص، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

ھو لک' ھو اخوک یا عبد بن زمعة من اجل انه ولد علی فراشه' وقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: احتجبی منه یا سودة! لما رایٰ من شبه عتبة بن ابی وقاص' قال ابن شهاب: قالت: عائشه قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الولد للفراش وللعاهر الحجر۔" (بخاری ج:۲'ص:۶۱۶)

ترجمہ:۔"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: عتبہ بن ابی وقاص نے مرتے وقت اپنے بھائی سعدؓ بن ابی وقاص کو وصیت کی کہ زمعہ کی لونڈی...... سے میں نے زنا کیا تھا' اس...... کا بچہ لے لینا' فتح مکہ کے دن...... حضرت سعد رضی اللہ عنہ زمعہ کی لونڈی کے بچے کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' تو آپؐ کے ساتھ عبد بن زمعہ بھی حاضر ہوگئے' حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ میرا بھتیجا ہے' کیونکہ میرے بھائی نے مرتے وقت کہا تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے...... دوسری جانب...... عبد بن زمعہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ میرا بھائی ہے' یہ زمعہ کا بیٹا ہے' یہ اس کے فراش پر پیدا ہوا تھا' پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا تو واقعی وہ بچہ عتبہ بن ابی وقاص سے زیادہ مشابہ تھا' پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبد بن زمعہ! یہ تیرا ہے اور یہ تیرا بھائی ہے' اس لئے کہ یہ عتبہ کے فراش پر یعنی نکاح میں پیدا ہوا ہے' بایں ہمہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کو زمعہ کا بیٹا قرار دیا تھا...... مگر چونکہ اس کی شکل وشباہت عتبہ بن ابی وقاص سے ملتی تھی' اس لئے...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے فرمایا: سودہ! اس سے پردہ کیا کر! ابن شہاب زہریؒ فرماتے تھے کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ اس کا ہے' جس کا نکاح ہے اور زانی کے لئے بس پتھر ہی پتھر ہیں۔"

ان تفصیلات سے واضح ہوا ہوگا کہ یہ طریقہ کار نہایت غلط' بھونڈا' بے حیائی' بے شرمی اور زناکاری وبدکاری کے فروغ پر مشتمل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆......☆☆

علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ اور خدمات حدیث

(۳)

مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی، گجرات انڈیا

ہندوستان کے مشہور علمی ادارے "مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی للبحوث والدراسات الاسلامیة" اعظم گڑھ یوپی میں صفر ۱۴۲۸ھ مطابق مارچ ۲۰۰۷ء کو دوروزہ بین الاقوامی علمی سیمینار بعنوان ''ہندوستان اور علم حدیث تیرہویں اور چودہویں صدی میں'' منعقد ہوا، جس میں جامعہ دارالعلوم فلاح دارین گجرات کے رئیس مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نے بعنوان خاص ''دور حاضر کے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ وانورشاہ کشمیریؒ ثانی، علم حدیث کے رمزشناس، محدث جلیل علامہ محمد یوسف بنوریؒ اور خدمات حدیث'' پر اپنا قیمتی مقالہ پیش کیا، قارئین بینات کے لیے برصغیر میں حضرت بنوریؒ کی خدمات حدیث کے حوالے سے یہ معلوماتی مقالہ قسط وار پیش خدمت ہے۔

سنن ترمذی پر عربی زبان میں ایک گراں قدر مضمون

امام ترمذیؒ کی کتاب پر حضرت بنوریؒ کا دمشق کے مجلة المجمع العلمي العربي میں ایک اہم مضمون شائع ہوا تھا، جس میں شیخ نے امام ترمذیؒ کی کتاب کی خصوصیات پر محدثین وائمہ کے کلام کو سامنے رکھ کر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

☆:....امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں احادیث نبویہ کو آٹھ قسموں میں جمع کردیا ہے:

۱-عقائد ودینی اصول۔

۲-شرعی احکام، عبادات ومعاملات اور حقوق العباد سے متعلق احادیث۔

۳-تفسیر قرآن۔

۴-آداب واخلاق۔

۵-سیرت وشمائل نبوی۔

۶-مناقب صحابہ رضی اللہ عنہم۔

۷-رقاق، وعظ ونصیحت اور ترغیب وترہیب سے متعلق احادیث (جسے کتاب الزہد کا نام دیا جاتا ہے) اور ترمذی کی کتاب الزہد کی نظیر صحاح ستہ میں نہیں ملتی۔

۸-علامات قیامت سے متعلق احادیث۔

یہ اقسام اگرچہ صحیح بخاری میں بھی ہیں لیکن وہ شروط کی سختی کے سبب احادیث کے ذخیرہ کو جمع نہ کر سکے۔ ترمذی کی کتاب الزہد، کتاب الدعوات، کتاب التفسیر کا مقابلہ بخاری شریف کے ان ابواب سے کریں، حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔

☆:...امام ترمذیؒ نے احادیث پر صحت، حسن، غرابت اور ضعف کے اعتبار سے جو حکم لگایا ہے، وہ پڑھنے والوں اور تحقیق کرنے والوں کے لئے بہت نافع اور اہم چیز ہے۔

☆:...امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں ائمہ کے مذاہب اور امت کے تعامل کو خوب عمدگی سے اس طرح بیان کیا ہے کہ اختلافی مسائل بیان کرنے والی دیگر کتب احکام وغیرہ بہت سی کتابوں سے مستغنی کردے، امام ترمذیؒ کی یہ ایک خصوصیت ہے، جس میں کوئی بھی ان کا شریک نہیں، صحابہ وتابعین کے مذاہب پر مطلع ہونا اور ایسے مذاہب جن پر عمل متروک ہو چکا ہے جیسے کہ شام کے امام اوزاعیؒ عراق کے امام سفیان ثوریؒ خراسان کے امام اسحاق ابراہیم مروزیؒ وغیرہ حضرات کے مذاہب پیش کرنا یہ بڑا دقیق ونادر علم ہے جس پر لوگ صرف امام ترمذیؒ اور ان کی کتاب کے ذریعہ ہی مطلع ہو سکتے ہیں۔

☆:...امام ترمذیؒ نے فقہاء امت کے مذاہب کو دو قسموں پر تقسیم کیا اور ہر قسم کے لئے الگ باب قائم کیا جس میں اس مسئلہ کو ثابت کرنے والی حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس طرح سے احکام سے متعلق متعارض احادیث کو دو باب میں تقسیم کر دیا، امام ترمذیؒ بسا اوقات ایک قسم کی تائید کرتے ہیں اور اس کو تفقہ یا تحدیث یا تعامل کے اعتبار سے راجح قرار دیتے ہیں یا دونوں میں جمع ہو سکے تو تطبیق دیتے ہیں۔

☆:...سند میں مذکورہ رواۃ اگر کنیت کے ساتھ ہوں تو ان کا نام بتلا دیتے ہیں اور اگر نام سے مذکور ہوں تو ان کی کنیت، عام طور سے ایسا اس مقام پر کرتے ہیں جہاں غموض اور خفاء یا ضرورت ہو، علماء حدیث نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں دولابی کی کتاب "الاسماء والکنیٰ" سب سے عمدہ ہے۔

☆:...روایات ذکر کر کے امام ترمذیؒ جرح وتعدیل کرتے ہیں اور کسی خاص شرط کے پابند نہ ہونے کی تلافی اس جرح وتعدیل سے کیا کرتے ہیں اور حدیث کا درجہ، صحت، حسن اور غرابت کے اعتبار سے متعین

کر کے اس کمی کو پورا کر دیتے ہیں۔

☆:....امام ترمذیؒ حدیث نقل کرنے کے بعد بسا اوقات نہایت عمدہ حدیثی ابحاث اور اسنادی فوائد لاتے ہیں جو اور کتابوں میں نہیں پائے جاتے‘ چنانچہ حدیث کے موصول‘ مرسل‘ موقوف اور مرفوع ہونے کو بتلاتے ہیں کہ راوی حدیث صحابی ہے یا تابعی اور حدیث کا درجہ کیا ہے؟

☆:...عام طور سے امام ترمذیؒ ہر باب میں حدیث کے متعدد طرق اور ساری روایات ذکر کرنے کے بجائے صرف ایک حدیث ذکر کرتے ہیں اور ایک طریق ہی لاتے ہیں‘ خصوصاً احکام سے تعلق رکھنے والی احادیث میں‘ اسی لئے جامع ترمذی میں احادیث احکام کا ذخیرہ کم ہے‘ البتہ اس کی تلافی وہ اس طرح کرتے ہیں کہ اس باب میں اور موضوع سے متعلق دیگر جن صحابۂ کرامؓ سے احادیث مروی ہیں ان کو ذکر کر دیتے ہیں اور اس طرح سے اس باب میں جتنے صحابہ سے احادیث ہوتی ہیں ان کی تعداد معلوم ہو جاتی ہے‘ جو ائمۂ نقد و محققین کے یہاں بڑی قابل قدر خدمت ہے اور ذوق قدیم و جدید دونوں کے لئے بڑی پرکیف خدمت ہے‘ وہ ”فی الباب عن فلان و فلان“ کہہ کر اسی استیعاب سے نام گنوا دیتے ہیں کہ جس کی تفتیش و تخریج کے لئے ہزاروں صفحات اور بیسیوں بڑی بڑی جلدوں کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے لیکن پھر بھی بعض اوقات وہ حدیث نہیں ملتی۔

امام ترمذیؒ کی ”وفی الباب“ والی احادیث کی تخریج حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ”اللباب“ نامی کتاب میں کی لیکن سیوطیؒ اسکو ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ مجھے وہ کتاب مل نہ سکی‘ حضرت شیخ بنوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ: میں نے حرمین شریفین‘ قاہرہ اور آستانہ کے عظیم الشان کتب خانوں میں اسے تلاش کیا لیکن ”اللباب“ نہ مل سکی‘ حافظ ابن حجرؒ سے پہلے ان کے شیخ حافظ عراقی نے بھی امام ترمذیؒ کی ”وفی الباب“ والی احادیث کی تخریج کی تھی وہ بھی کہیں دستیاب نہیں‘ حافظ ابن سید الناس یعمری اور حافظ عراقی نے اپنی شروح میں ”ما فی الباب“ کی تخریج کا التزام کیا ہے۔

☆:....امام ترمذیؒ مشکل احادیث کی گاہے بگاہے تفسیر و تاویل بھی کرتے جاتے ہیں‘ کبھی اپنے الفاظ میں اور کبھی ائمۂ فن کے کلام سے‘ جیسے کہ کتاب الزکوٰۃ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ”ان الله يقبل الصدقة ويأخذها بيمينه... الخ“ ذکر کی اور فرمایا: اہل علم اس حدیث اور اس جیسی ذات و صفات سے متعلق احادیث کے بارے میں یہ فرماتے ہیں ”ان احادیث میں جس طرح آیا ہے اسی طرح تسلیم کیا جائے گا اس کی کیفیت نہیں معلوم کریں گے‘ امام مالک بن انسؒ سفیان ثوریؒ اور عبد اللہ بن مبارکؒ وغیرہ حضرات اس جیسی صفات الٰہیہ سے متعلق احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بغیر کیفیت اور حقیقت بیان کئے اسی طرح اس کو مان لو یہی علماء اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

☆:...امام ترمذیؒ باب میں غریب احادیث لاتے ہیں اور صحیح اور مشہور احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں اور

”وفی الباب عن فلان وفلان“ میں اس کی طرف اشارہ کردیتے ہیں۔ یہ کوئی عیب نہیں ہے اس لئے کہ اس حدیث میں جو ضعف اور عیب ہوتا ہے امام ترمذیؒ اس کی صراحت کردیتے ہیں یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح امام نسائیؒ اپنی کتاب میں جب حدیث کے طرق بیان کرتے ہیں تو پہلے جو کمزور یا غلط ہوتا ہے اسے لاتے ہیں پھر اس کے مخالف صحیح اور قوی کو لاتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مجلة المجمع العلمی العربی: ج:۳۲ص:۳۰۸)

عوارف المنن مقدمۂ معارف السنن

حضرت بنوریؒ نے معارف السنن کا ایک مفصل مقدمہ لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا مگر اس کی ایک جلد کتابی شکل میں طبع ہوسکی اس مقدمہ کا دوتہائی حصہ مکمل ہوچکا تھا مگر افسوس کہ بقیہ کام ادھورا ہی رہ گیا۔ **ولله الامر من قبل ومن بعد۔**

معارف السنن شرح جامع الترمذی

یہ کتاب حضرت علامہ بنوریؒ کا ایک عظیم کارنامہ شمار ہوتی ہے طلبۂ حدیث شریف اور اہل علم کے لئے نادر تحفہ ہے اس شرح کی تألیف میں جو نہج انہوں نے اختیار کیا ہے وہ اس طرح ہے:

باب کو ذکر کرنے کے بعد وہ مسئلہ تحریر فرماتے ہیں جو ترجمۃ الباب سے مستنبط ہوتا ہے پھر ائمہ کرام کے اقوال کی روشنی میں مسئلہ کا مالہا وماعلیہا بیان فرماتے ہیں کبھی حدیث الباب کے دیگر مدلولات ومصداقات ذکر فرماتے ہیں اور کبھی شروع میں راوی کے حالات پر بھی روشنی ڈالتے ہیں نیز الفاظِ حدیث کی شرح فرماتے ہیں کبھی ترجمۃ الباب قائم کرنے سے امام ترمذیؒ کے مقصد کو بیان فرماتے ہیں اس کتاب کے بارے میں ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر حفظہ اللہ تعالیٰ نے بہت جامع تبصرہ فرمایا ہے موصوف معارف السنن کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

”انه اوسع شرح لمذاهب الائمة المتبوعين من مصادرها الموثوقة وبيان تعامل الامة واوثق مصدر لأدلة الامام ابی حنيفة رحمه الله فی الخلافيات بين الائمة واكمل شرح لجامع الترمذی من جهة استيفاء المباحث حديثاً وفقهاً واصولاً وما الی ذلک من مهمات علمية واحسن شرح لحل المشكلات وتوضيح المغلقات بعبارات ادبية واسلوب رائع واجمل شرح لاقوال امام العصر مسند الوقت الشيخ محمد انور شاه الكشميری رحمه الله فی شرح الحديث فی اماليه ومؤلفاته ومذكراته المخطوطة ورسائله المطبوعة واشمل كتاب يحتوی علی فوائد من شتی العلوم ونفائس الابحاث رواية ودراية فقها وحديثا عربية وبلاغة وابدع تاليف جمع بين جمال التعبير وحسن الترتيب ومتانة البحث

ورزانة البيان واستقصاء كل باب من غرر النقول لاولي الالباب وصلى الله على سيدنا محمد وآله واصحابه وسلم"۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ:

''شیخ بنوریؒ کی تصانیف میں جامع ترمذی کی شرح معارف السنن ساڑھے تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے' چھ ضخیم جلدوں میں نہایت اہم تصنیف ہے''۔

شیخ جامعہ ازہر فضیلۃ الاستاذ شیخ عبدالحلیم محمودؒ کی رائے ملاحظہ فرمائیں' فرماتے ہیں:

''ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ عینیؒ کی شروح حدیث پر ''معارف السنن'' کی اعلیٰ توجیہات' بے مثال طرز استدلال اور ادب ومعانی نے سبقت حاصل کرلی ہے' نیز انہوں نے شیخ بنوریؒ کے فن حدیث میں بلند مقام کو ان الفاظ سے سراہا' یہ مرد مجاہد جب مصر آتا ہے تو ہم ان کا ایک چوٹی کے عالم اور محدث کی حیثیت سے استقبال کرتے ہیں''۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ابتدائی دو جلدوں کے مطالعہ سے اس شرح کی جو خصوصیات ہمارے سامنے آئیں وہ بالاختصار پیش خدمت ہیں:

۱- علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی قیمتی آراء اور سنہری تحقیقات کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ حسین پیرایہ میں پیش کیا گیا ہے۔

۲- ''العرف الشذی'' کے مبہم یا موہم مقامات کا تشفی بخش حل پیش کرتے ہوئے امام الحدیث علامہ کشمیریؒ کے نقطۂ نظر کی عمدہ تشریحات کی گئی ہیں۔

۳- حافظ ابن حجرؒ' علامہ شوکانیؒ' مولانا مبارک پوریؒ اور دیگر حضرات کی طرف سے احناف پر کئے گئے اعتراضات کا نہایت ہی خوش اسلوبی سے ازالہ کیا گیا ہے۔

۴- اسنادی مباحث میں معرکۃ الآراء موضوعات پر انتہائی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے اور اختلاف کی صورت میں قول فیصل بھی ذکر کردیا گیا ہے۔

۵- فقہی اور اسنادی تحقیقات کے علاوہ بعض نحوی' لغوی' کلامی اور اصولی مسائل پر نفیس اور عمدہ تحقیقات اور قیمتی فوائد اس شرح کی زینت ہیں۔

۶- متقدمین مثل امام طحاویؒ وغیرہ کی طرح متأخرین مثل حضرت شاہ ولی اللہؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ' علامہ نیمویؒ اور شیخ لکھنویؒ کی تحقیقات وآراء کو بھی اس شرح میں مولانا مرحوم بہت اہتمام کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

۷- بعض حضرات صحابہؓ وتابعین وائمہ فقہ وحدیث کے احوال اس شرح میں اس قدر بسط وتفصیل کے ساتھ آگئے ہیں کہ یکجا کسی دوسرے مقام پر اتنی تفصیل کے ساتھ ملنا دشوار ہے۔

۸- خاص خاص مسائل پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کا بہت اچھا تعارف کرایا ہے' جس کو دیکھ کر قاری میں ان کتابوں کے مطالعہ کا شوق کروٹیں لیتا ہے۔

۹- نقل مذاہب میں یہ احتیاط برتی گئی ہے کہ اصل مأخذ سے ہی ان کو لیا گیا ہے مثلاً شوافع کا مذہب کتب شوافع کی مراجعت کے بعد درج کیا گیا ہے اسی طرح یہ احتیاط حنابلہؒ اور مالکیہؒ کے مذاہب کا ذکر کرتے وقت کی گئی ہے' اس سے یہ فائدہ ہوا کہ تسامح فی النقل کی وہ خامی جو دوسرے مذاہب کو نقل کرتے وقت بالعموم پیش آ جاتی ہے اس سے یہ شرح محفوظ ہے۔

۱۰- احناف کے اقوال نقل کرتے وقت عموماً متقدمین کی کتابوں پر اعتماد کیا گیا ہے' نیز احناف میں صرف ان حضرات کی تحقیقات کو نقل کیا گیا ہے جن کا مرتبہ حدیث میں مسلم ہے' جیسے امام طحاویؒ عینیؒ اور صاحب بدائع وغیرہ۔ **تلک عشرة کاملة** (خصوصی نمبر ص:۹۵-۳۹۴)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ تلمیذ شیخ محمد انور شاہ کشمیریؒ جنہوں نے ندوۃ العلماء میں ترمذی شریف کا درس دیا ہے تحریر فرماتے ہیں:

> ''معارف السنن کے مطالعہ سے مولانا بنوری مرحوم کی علمی خصوصیات اور خاص کر فن حدیث میں ان کے رسوخ وتبحر اور وسعت مطالعہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے' حضرت الاستاذ الامام الکشمیری قدس سرہ کی خاص تحقیقات سے واقفیت کا سب سے زیادہ مستند ذریعہ بھی اس عاجز کے نزدیک معارف السنن ہی ہے'' (خصوصی نمبر ص:۶۸۰)

خود علامہ بنوریؒ نے معارف السنن کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

> **'فهذه هی "معارف السنن" وما ادراک ما هی "معارف السنن" شرح لانفاس امام العصر المحدث الكبير الكشميری فی درس "جامع الترمذی" وتوضيح لأماليه وجمع درره المبعثرة فی مذكر انه وتآليفه' بتعبير قاسيت فيه العناء وترتيب طال لاجله الرقاد واستيفاء لكل موضوع من غرر النقول عثرت عليها بعد بحث طويل... الخ'** (خصوصی نمبر ص:۲۰۴)

(جاری ہے)

اسلام کا محاسبہ۔ یورپ سے درگذر

ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی، ۱۵۔ گاندھی روڈ، دہرہ دون

اسلام اور مسلمانوں پر انسانیت کے دشمنوں کی طرف سے جو چارج شیٹ لگائی گئی ہے، اس کے اہم نکات میں سے عدم رواداری، بنیاد پرستی، خواتین کی حقوق تلفی اور تاریک خیالی ہیں، دن رات یہ تاثر دینے کی کوشش چل رہی ہے کہ ''اسلام کے اڑیل غیر لچک والے رویہ'' کی وجہ سے ساری دنیا میں خلفشار پھیلا ہوا ہے۔ یہ چارج شیٹ شاید تاریخ انسانی کی سب سے زیادہ جھوٹی اور خلافِ حقیقت چارشیٹ کہی جاسکتی ہے، عملاً دنیا میں جو ہورہا ہے وہ اس کے برعکس ہے۔

دنیا کی ظالم طاقتوں نے مل کر دنیا کے وسائل اور انسانوں کو اپنا غلام بنانے کے لئے ایک پلان بنایا ہے، اس پر وہ عمل پیرا ہیں، اس کے لئے ضروری ہے کہ دنیا میں چیلنج کرنے والی کوئی طاقت اور نظریہ باقی نہ رہے، کمیونزم کی شکست کے بعد ''قوم پرستی'' اور ''اسلام'' ہی دو خطرہ ہیں ''قوم پرستی'' بڑا خطرہ اس لئے نہیں کیونکہ یہ انہیں انسان دشمنوں کا ایجاد کردہ ہے، اسلام ہی اکیلا چیلنج ہے جو موجود ہے، اور اسلام کے تعلق سے انگریزی مقولہ پر عمل ہورہا ہے کہ ''کتے کو مارنے سے پہلے اسے پاگل مشہور کردو'' مغربی ممالک ایک ''گینگ'' کی صورت میں اپنے اپنے حصہ کا رول ادا کررہے ہیں اور ''سردار'' ان کو حرکت میں رکھ رہا ہے، اسلام کے خلاف جنگ میں ان کا اہم حربہ مسلمانوں میں غیر مرکزیت اور فواحش ومنکرات کا فروغ ہے، اس مہم کو جمہوریت کے ''قیام'' اور ''خواتین کی آزادی'' کی مہم کا نام دیا ہے۔

جمہوریت کے تعلق سے ان کے منافقانہ رویہ کی کھلی اور تازہ ترین مثال فلسطین، ترکی اور فرانس میں دیکھنے میں آئی، فلسطین میں جمہوری طریقہ سے الیکشن جیت کر آنے والی جماعت کو ساری مغربی دنیا اور غیر اسلامی دنیا نے منظوری اور مدد نہیں دی، اس پر پابندیاں لگادیں، انصاف پسندی کی مثال دیکھئے حماس کی ۷۰% سیٹیں ہیں اور اس کے وزراء کی تعداد ۱۹ میں سے ۹ رہوگی۔ فتح کی نشستیں ۲۵% ہیں، اس کے وزیر ۶ رہوں گے۔ یہ ہے

انصاف جو مکہ المکرمہ میں کیا گیا ہے، مگر مغرب ابھی بھی ناراض ہے اور حماس کی سرکار کو مانا نہیں جارہا ہے۔

ترکی میں صدارتی انتخاب میں اسلامی رجحانات کے حامل متوقع امیدوار عبد اللہ گل کے وزیر اعظم طیب اردگان کے ذریعہ اعلان کئے جانے پر یہ معاملہ اٹھایا کہ عبد اللہ گل اسلام پسند ہیں اور ان کی بیوی اسکارف باندھتی ہیں اور ایسی خاتون ملک کی خاتون اول کے طور پر قصر صدارت میں پہنچا ترکی میں شوشلزم کے لئے بڑا خطرہ ہوگا' وہاں کی مغرب زدہ فوج نے دھمکی دی اور انقرہ اور ازمیر میں بڑے بڑے مظاہرہ کرائے گئے کہ اسلام پسندوں سے ترکی کو خطرہ ہے' یہاں تک کہ یہ صدارتی انتخابات عدالت نے ایک قانونی حیلہ سے جولائی تک کے لئے ٹال دیئے۔

دوسری طرف دیکھیں کہ اسی ماہ فرانس میں صدارتی الیکشن ہوئے' جس میں ایک انتہاء پسند عیسائی' صہیونیت کا حامی' بیرونی مہاجرین کا مخالف اور کھلے بندوں سرمایہ داری اور امریکہ واسرائیل کی حمایت کرنے والا شخص نکولس سارکوزی صدر منتخب ہوگیا، مگر دنیا میں کوئی چرچا نہیں، کوئی ہنگامہ نہیں، کوئی بحث نہیں۔

ترکی کے رکن امیدوار پر ہی ہنگامہ اور فرانس میں کٹر اور انتہائی سخت تنگ نظر شخص کے منتخب ہونے پر بھی کوئی ہنگامہ نہیں' جب کہ طیب اردگان کی پارٹی نے اپنے چار سالہ اقتدار میں یورپین یونین میں شامل ہونے کے لئے کوئی بھی ایسا کام نہیں کیا جس سے مغربی ممالک کو اعتراض کا موقع ملے' اس کے برعکس فرانس میں سارکوزی کے مقابلہ نرز اور سیوکلر صدر نے بدنام زمانہ قانون پاس کر کے لاگو کرایا کہ کوئی بھی خاتون اسکارف یا مذہبی علامت پہن کر اسکول نہیں آسکتی' جبکہ طیب اردگان کے ترکی میں ایک خاتون ممبر پارلیمنٹ کو اسکارف باندھ کر پارلیمنٹ کی کارروائی میں شریک نہیں ہونے دیا گیا، دراصل یہ ساری بہانہ بازیاں اپنے اصل مکروہ اور ظالمانہ عزائم کو پوشیدہ رکھنے کے لئے کی جارہی ہیں، جمہوریت کا رونا رویا جاتا ہے اور ڈکٹیٹروں کی حمایت کی جاتی ہے' میانمار کے ڈکٹیٹروں' پاکستان کے ڈکٹیٹر' مصر کے ڈکٹیٹر' مغربی ممالک کے منظور نظر کیوں ہیں؟ پاکستان کے صدر پاکستان کو جدید فلاحی ریاست بنانے کے لئے مدرسوں کی اصلاح کے لئے بلیئر اور بش' جاپان اور جرمنی سے کروڑوں روپیہ لے رہے ہیں۔خواتین کی آزادی کے لئے مقابلۂ حسن کا انعقاد ہو رہا ہے، وہاں کی خاتون وزیر اسپین جا کر ہوا باز کی گردن میں بانہیں ڈال کر فوٹو کھنچواتی ہیں' لاہور میں میراتھن دوڑ کا اہتمام کیا جاتا ہے، جس میں مرد اور عورت ایک ساتھ حصہ لے کر شہر میں دوڑتے ہیں' مختاران مائی کی عصمت دری پر رونے والے اسلام آباد میں خواتین کی عصمت فروشی کو ''خواتین کی آزادی'' کے نام پر حلال کر لیتے ہیں اور مغربی آقا بھی مختاران مائی کو اقوام متحدہ کی ''برانڈ ایمبیسڈر'' بناتے ہیں مگر ''کوثر بی بی'' پر ہونے والے شرمناک ظلم پر ابھی تک زبانیں گنگ ہیں۔

یہ بات غور طلب ہے کہ مغرب کن عوامل کے ذریعہ انسانوں کو اپنا غلام بنانا چاہتا ہے؟ ایک تو انسانیت

میں بے حیائی اور شراب' جوا کا فروغ ''تہذیب'' اور ''آزاد خیالی'' اور ''روشن خیالی'' کے نام پر کرتا ہے۔ دوسرے عقیدہ میں کمزوری پیدا کرنے کے لئے ''برداشت'' اور ''رواداری'' کے ناموں کا استعمال کرکے اسلامی دنیا میں اس کے لئے ماحول تیار کرتا ہے۔ترکی میں صدارت کے اسلام پسند امیدوار کے خلاف رائے عامہ کو بنانے کے لئے مغرب نے ایک طرف تو اپنے ایجنٹوں کو سڑکوں پر اتارا ہے کہ وہ ''شریعت منظور نہیں ہے'' کے نعرہ لگائیں، دوسری طرف پورا مغربی میڈیا اس مہم پر لگ گیا ہے کہ ان مصنوعی مظاہروں کو دنیا بھر میں نمایاں کرکے پیش کرے۔

فلسطین میں حماس کے مقابلہ کے لئے ''الفتح'' کو نمایاں کیا جارہا ہے اور فرضی ناموں کے انٹرویو دکھا کرا سے رائے عامہ بتا کر پیش کیا جارہا ہے کہ عوام اب اکتا گئی ہے اور وہ اب آزادی کی جنگ نہیں لڑنا چاہتی ہے نوبت یہاں تک ہے کہ امریکہ اور اسرائیل نے مل کر ڈیڑھ کروڑ ڈالر کا اسلحہ گذشتہ (اپریل ۲۰۰۷ء) میں مصر کے ذریعہ الفتح کو بھجوایا ہے، تا کہ حماس کے مقابلہ میں کمزور نہ پڑے۔مئی ۲۰۰۷ء کے دوسرے ہفتہ میں جو برادر کشی فلسطین میں جاری ہے، اس میں الفتح کے ساتھ ساتھ اسرائیل نے سیدھا حماس کو نشانہ بنایا ہے اور ۴-۵ دنوں میں میزائل حملوں میں ۲۰ سے زائد حماس رکن اور بے گناہ فلسطینی شہید کردیئے گئے۔

سوڈان میں عرصہ سے یہ منافقین جنوبی لبنان کے عیسائیوں کی بھرپور مدد افریقی ممالک کے ذریعہ کرر ہے ہیں، وسطی ایشیا کی تمام جمہوریاؤں میں ڈکٹیٹروں کی مدد کرکے عوام کو دبار ہے ہیں ا۔قوام متحدہ کے تمام اداروں کا استعمال مسلمانوں میں آپسی انتشار کو بڑھانے کے لئے کیا جارہا ہے۔ورلڈ بینک کے مجرم اور عیاش صدر سابق امریکی نائب وزیر دفاع کی جوگرل فرینڈ شاہ علی رضا ہیں، وہ نام نہاد خواتین کی حقوق کی علمبردار ۵۱ سال کی ہیں اور پال ولفووٹز سے عشق لڑا رہی ہیں اور اسی کلچر کو کہ ۵۱ سال کی عمر میں عاشقی فرمائی جائے وہ پھیلانے کے لئے دنیا بھر میں کوشاں ہیں، یعنی دنیائے اسلام میں ان کا خاص میدان کار شمالی افریقہ اور مغربی ایشیا ہے اور دونوں کی دوستی ۹۰ کی دہائی کی شروعات میں تب ہوئی ،جب دونوں ''نیشنل انڈومنٹ فار ڈیموکریسی'' سے جڑے ہوئے تھے۔

یاد ہے کہ پال ولفووٹز ایک کٹر یہودی اور عراق کے خلاف امریکی جنگ کا سب سے بڑا حمایتی رہا ہے، ورلڈ بینک میں اپنی تصویر غریبوں کے ہمدرد کی بنائی ہے اور شمالی افریقی ممالک نے اس معاشقہ پر چٹکی لیتے ہوئے بجا ہی کہا ہے کہ:ہمیں بات بات پر کرپشن کا طعنہ دینے والے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ غریبوں کی امداد کی رقم کے بل بوتے پر عاشقی منائی جارہی ہے،عورتوں کی ہمدرد گرل فرینڈ کو غیر قانونی ترقی دے کر اس کی تنخواہ ۱۳۳۰۰۰ امریکی ڈالر سے بڑھا کر ۱۹۳۰۰۰ امریکی ڈالر کردی ہے،اسی طرح کی دوسری مسلم خاتون امریکہ کی محکمہ خارجہ میں شیریں طاہر خیل ہیں، امریکی محکمہ خارجہ میں جنوبی ایشیا کے معاملات کی ذمہ دار ہیں،ان کی بھی

یہی خصوصیات ہیں۔ گذشتہ ماہ ہندوستان آمد پر ایک اخبار کو انٹرویو دیا اور دل کھول کر بالکل صاف صاف عراق پر امریکی حملہ کی حمایت کی کہ اس سے جمہوریت کو فروغ حاصل ہوگا' ہالینڈ میں پرس علی افریقہ نژاد خاتون کو سارے مغربی میڈیا نے خوب سر پر چڑھا کر رکھا، کیونکہ وہ قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ پر خوب تنقیدیں کرتی تھی، سیاسی طور پر دیکھیں تو ہر ملک کے انتہائی کرپٹ حکمرانوں کو انہیں وواصلاح پسندوں' کے در پر جائے امان ملتی ہے، تمام مسلم دنیا کے کرپٹ حکمران اور سیاست داں یہیں پناہ گزیں ہیں۔ سلمان رشدی اور فتنۂ امامت خواتین کی بانی اسریٰ نعمانی اور مغرب کے ایجنٹ لندن سے ہی کاروبار قتل وخون چلا رہے ہیں، ایک طرف تو یہ مغربی شاطر مسلم دنیا کی غریبی اور ابتر حالت پر گھڑیالی آنسو بہاتے ہیں، دوسری جانب جو لٹیرے اس ابتر صورت حال کے لئے ذمہ دار ہیں انہیں اپنے گھروں میں امان دیتے ہیں، ان کی لوٹی ہوئی دولت کو اپنے یہاں بینکوں میں جمع کر کے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، صومالیہ کی مثال بالکل تازہ ہے، جہاں پڑوسی عیسائی ملک کی فوج کو اپنے ایمان فروش ایجنٹوں کے ساتھ صومالیہ پر قبضہ کرادیا اور وہاں کشت وخون جاری ہے، مغرب کا اسلحہ بھی فروخت ہو رہا ہے اور مسلمان آپسی انتشار میں بھی مبتلا ہو رہا ہے۔

یہاں پر غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ حقوق نسواں' ڈیموکریسی' ورلڈ بینک ان سب کا آپس میں رشتہ کیا ہے؟ ایک کٹر یہودی کی صدارت میں ورلڈ بینک افریقی ممالک کی معاشی مدد کن شرطوں پر اور کیوں کر رہا ہے؟ مغرب نواز کردوں کے ذریعہ ترکی اور ایران میں کون بم دھاکہ کرا رہا ہے؟ لبنان کی حکومت کو فتح کے مسلح گروپ پر لبنان میں فوج کشی کے لئے امریکی ۳۰۰ ملین ڈالر کے ہتھیار کون دے رہا ہے؟ عراق میں کرد امریکی مفادات کا تحفظ کیسے کر رہے ہیں؟

اس پلاننگ کا ایک اہم پہلو عقیدہ کو مضمحل کرنا ہے اور اس کے لئے فری میسن طرز کے ہتھکنڈے ابھی بھی اپنائے گئے ہیں، مسلم ممالک میں ان کے قبل از اسلام ماضی کی تاریخ اور تہذیب کو آرٹ اور Ethnicity کے نام پر بڑھایا جارہا ہے، افریقی ممالک' مصر' انڈونیشیا ہر جگہ قدیم کی طرف رجوع کے نام پر غیر اسلامی تہذیب کو پروان چڑھایا جارہا ہے۔ ۱۸ رمئی کے اخبارات میں سینگال کے تعلق سے رائٹر کی یہ خبر میرے مدعا کو بہتر طور پر سمجھا سکتی ہے ''مریدی فرقہ ۱۸۸۷ء میں فرانسیسی غلامی کے زمانہ میں فاتح ہوا تھا، یہ فرانسیسیوں کے خلاف بغاوت اور کلچرل پروجیکٹ تھا، جس میں اسلامی اور مقامی روایات کو یکجا کیا گیا تھا۔ مریدیوں نے کہا: اگر ہم اپنی مساجد بنانے کے لئے سعودیوں سے پیسہ لے لیتے تو پھر ہمیں انہیں کے طریقہ سے عبادت کرنی پڑتی، مغربی افریقہ میں سعودی مدد سے مسجدیں بنی ہیں، جس سے وہاں وہابی نظریات کا فروغ ہوسکتا ہے، جبکہ مریدی رواداری کی تعلیم دیتے ہیں، مرید یہ اپنی آزادی اور مذہبی تسکین کو بہت اہمیت دیتے ہیں، مگر دیگر مسلم ممالک کی طرح ان کی عورتیں برقعہ پوش نہیں ہوتی ہیں، آزادی سے گھومتی ہیں، اس طریقہ کی ایک شاخ تو ایسی ہے جس

میں نماز روزہ کی پابندی نہیں ہے، بلکہ شراب پینے اور دیگر نشہ کو بھی منع نہیں کیا جاتا، اسے بائی فال کہا جاتا ہے، اس گروپ کے شیخ تید ین سامب نے کہا: اسلام امن کا مذہب ہے، یہ ہمیں لوگوں کو کلاشنکوف سے مارنا نہیں سکھاتا۔ یہ لوگ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ: اگر کوئی شخص حج کے لئے مکہ جانے کی استطاعت نہیں رکھتا تو وہ ''وتوبا'' (بانی فرقہ مریدیہ کی جائے پیدائش) آکر اتنا ہی ثواب حاصل کرسکتا ہے۔ نیویارک میں یہ بڑی تعداد میں رہتے ہیں اور ''لٹل سینگال'' نام کی برادری قائم کر رکھی ہے۔ (ہندوستان ایکسپریس'۱۸رمئی ۲۰۰۷ء)

خط کشیدہ جملوں پر غور فرمائیں کہ ''رائٹر'' (ایک جرمن یہودی کی ایجنسی) کس قسم کی خصوصیات مسلمانوں میں پروان چڑھانا چاہتی ہے۔ اس کے علاوہ پچھلے پندرہ دنوں (مئی ۲۰۰۷ء کے پہلے پندرہ دن میں) بوسنیا سے خبر آئی کہ وہاں کے مقامی یورپین مسلمانوں نے باہر سے آئے مجاہدین سے نفرت کرنی شروع کردی ہے، کیونکہ یہ لوگ سخت قسم کے مسلمان ہیں اور بوسنیائی مسلمان آزادی، شراب نوشی، سور کا گوشت خوری اور آزادانہ جنسی اختلاط اور نائٹ کلب کی زندگی کے عادی ہیں۔ اسی طرح کی خبریں تواتر اور تسلسل کے ساتھ پورے میڈیا اور ہندی، انگلش سب میں یکساں الفاظ میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ انڈونیشیا اور وسطی ایشیا کے بارے میں بھی ہمیں یہاں کی ایجنسیاں بتاتی رہتی ہیں کہ وہاں ''صوفی اسلام'' اشاعت پذیر ہے اور ''سخت گیر'' ''کٹر'' ''وہابی مسلمان'' کم ہورہے ہیں۔ ان تمام رپوٹوں میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ وہ آزادی پسند، حرام وحلال سے بے پرواہ اور جوا کے عادی ہوتے ہیں، اور ایسے ہی مسلمان اچھے اور روادار کہلاتے ہیں اور اسی طرح کے مسلمان کو اسلامی دنیا میں فروغ دینا ہے۔

اسی لئے حماس کے مقابلہ الفتح کی حمایت کی جارہی ہے۔ بے نظیر بھٹو اور مشرف سے امریکا ماتحتی میں سمجھوتہ کرایا جارہا ہے، ترکی میں مظاہرہ کرا کر اسلام پسند سیاستدانوں کو دباؤ میں لینے کی کوشش کی جارہی ہے، ایک جانب تو مسلمانوں اور عالم اسلام کے حکمرانوں میں مذہب سے دوری پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش دن رات جاری ہے، دوسری طرف تمام مغربی اور مشرقی ممالک کے معاشرہ اور ان کے حکمراں زیادہ سے زیادہ اپنے مذاہب سے وابستہ ہورہے ہیں، وہاں کٹر مذہبی گروہ حکومتوں پر حاوی ہورہے ہیں، نام نہاد دہشت گردی اور ''اسلامی انتہا پسندی'' کے خلاف جنگ میں آگئے۔ تمام ممالک میں اس وقت مذہبی، نسلی، انتہا پسند براہ راست یا بالواسطہ اقتدار میں ہیں۔ امریکا، برطانیہ، فرانس، اسرائیل، جرمنی ہر جگہ انتہائی کٹر عیسائی و یہودی ذہن کے حکمراں اور نوکر شاہی حکومت کررہی ہے۔ قارئین بش اور بلیئر کے ان صلیبی اعلانوں کو بھولے نہیں ہوں گے کہ ''عراق کے خلاف جنگ خدائی حکم ہے'' یا یہ کہ ''میں خدائی مرضی پوری کررہا ہوں۔''

اس کے علاوہ آپ بش کے بڑے بڑے فیصلے دیکھیں۔ کلوننگ، اسقاط حمل، Stem Cell پر تحقیق سب مسئلوں میں بش نے عیسائی مذہبی پیشواؤں کے خیالات کی تائید کی ہے، بلیئر بھی اپنے یہاں قدامت پسند عیسائی

روایات کو قدیم کی طرف رجوع (Return to Basics) کے نام پر آگے بڑھا رہے ہیں، یہی حال جرمنی، اٹلی، فرانس، ہالینڈ ہر جگہ ہے یا تو مذہبی انتہا پسند حکومت کررہے ہیں یا جنونی وطن پرستی کو فروغ دیا جارہا ہے یا بالکل ہی جانور بنانے کی تہذیب کو فروغ دیا جارہا ہے؟ جن باتوں یعنی قدامت پرستی، بنیاد پرستی، عدم رواداری وغیرہ پر عالم اسلام کو نشانہ بنایا جارہا ہے، وہی تمام خصوصیات یورپ، امریکا اور دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ لڑنے والے ہر ملک میں بڑھائی جارہی ہیں، یعنی جواوروں کے لئے بُرا ہے ان ٹھیکیداروں کے لئے اچھا ہے۔

عالم اسلام کی انسانی ذمہ داری: یہ ہے کہ وہ تارِ عنکبوت کو تار تار کردے، اور تمام دنیا کے سامنے انصاف، عدل، امن، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مقاصد کو حاصل کرنے والے نظام کی طرف متوجہ کرائے، اللہ کا دیا ہوا نظام ہی دنیا کے مسائل کو حل کر کے اسے جنت بنا سکتا ہے، ماحولیاتی آلودگی، ہتھیاروں کی اندھا دھند تجارت، صارف کلچر، سرمایہ کی لوٹ، اخلاقی قدروں کی پامالی، نشہ کی بڑھتی لت، جانوروں کی حد تک گری ہوئی جنسی حرکات جیسی لعنتوں سے تمام عالم پریشان ہے اور دنیا کے نام نہاد غنڈ ٹھیکیدار اپنے مذموم مقاصد کے تحت تریاق کو زہر بنا کر پیش کرنے کی مہم میں آگے ہیں، کیونکہ اس سے ان کی لوٹ، کھسوٹ، ظلم اور اجارہ داری کے تباہ ہونے کا خطرہ ہے، اس وقت دنیا میں تمام منفی پروپیگنڈا اور گھناؤنی شازشوں، فریب کارانہ بم دھماکوں اور انکاؤنٹروں، بی بی سی اور ''دیش بھگت'' میڈیا کی دن رات کی زہرافشانیوں کے باوجود اسلامی تعلیمات کا سورج اپنی روشنی بکھیر رہا ہے، اسلام دلیل کے میدان اور پرامن طریقہ سے بات منوانے کے میدان میں کبھی کمزور نہیں رہا ہے اور نہ رہے گا، کیونکہ یہ اللہ علیم وخبیر کا پیغام ہے، اسلام آخرت میں جنت کے حصول کا ذریعہ تو ہے ہی، ساتھ دنیا کو بھی جنت بنانے کا کام یہ اپنے پیروؤں کو دیتا ہے۔

امت مسلمہ کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کستوری ہرن کی طرح اپنی مشک کی خوشبو کو اپنے اندر ڈھونڈنے کے بجائے ستارۂ صلیب، ہاتھ ہتھوڑا، ہنسیا، ہاتھی، سائیکل میں ڈھونڈ رہا ہے، جبکہ وہ جس روشنی اور ہدایت کا امین ہے، وہ ان سب کے لئے ہدایت کا موجب ہے، دنیا کے لئے امن، انصاف اور حقیقی مسرت کا پیغام ہے، اس پیغام امن وفلاح کی بے کم وکاست تبلیغ وترویج ہی امت مسلمہ کے لئے دنیا افتخار اور نصرت خداوندی کا ذریعہ بن سکتی ہے، باقی تمام راستے غلامی، بے بسی اور ذلت کے ہی ہیں۔

☆☆.....☆☆

اشاعت دین میں خواتین کا کردار!

مولانا مفتی رضاء الحق صاحب

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس طرح مردوں سے دین کی خدمت لی ہے، اسی طرح عورتوں سے بھی دینی خدمت لیتے آئے ہیں، قرآن کریم میں سورۃ النمل اور سورۃ القصص دو مفصل سورتیں ہیں، ایک میں ملکہ بلقیس کی حقیقت پسندی اور ایمان ذکر فرمایا ہے اس کے بعد متصل سورت میں فرعون کا قصہ ہے، اس میں اشارہ ہے کہ بعض عورتیں مردوں سے زیادہ حقیقت پسند اور زیادہ دین کا کام کرنے والی ہوتی ہیں۔

بلقیس کا قصہ مشہور ہے کہ: جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہدہد کے ذریعے پتا چلا کہ وہاں ایک عورت ہے جو **تملکهم** (ان کی بادشاہ ہے) قابل تعجب بات یہ ہے کہ:

۱:- عورت ہے اور ملکہ ہے۔

۲:- دوسری تعجب کی بات یہ ہے کہ **أُوتيت من كل شيء**، کہ اس کے پاس ہر قسم کا ساز وسامان ہے۔

۳:- تیسری تعجب کی بات یہ ہے کہ **ولها عرش عظيم** کہ عظیم الشان تخت کی مالکہ ہے۔

۴:- اور چوتھی تعجب کی بات یہ ہے کہ اس کو اور اس کی قوم کو میں نے دیکھا کہ وہ سورج کی عبادت کرتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کو خط لکھا، ملکہ بلقیس نے اپنے وزیروں اور مشیروں سے اس خط کے تناظر میں مشورہ کیا اور بادشاہی روایات کے مطابق حضرت سلیمان کو ہدیہ بھیجا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدیہ واپس فرمایا اور انہیں اسلام کی دعوت دی اور تبلیغ کی۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ بلقیس کا نکاح حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہوا ہے، نکاح ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اتنی بات تو ضرور ہے کہ قرآنِ کریم میں **اُدخلی الصرح** تو ہے، اور جس محل میں وہ داخل ہوئی ہے اس سے نکلنا ثابت نہیں، بہر حال وہ اتنی حقیقت پسند تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک بار دعوتِ اسلام سے متأثر ہو کر اسلام قبول کرلیا اور کوئی رد وقدح نہیں کی۔

اس کے بالمقابل فرعون کا قصہ ہے، فرعون باوجود مرد ہونے، ہوشیار ہونے اور باوجود تمام اسبابِ ہدایت موجود ہونے کے، اس کی ضد، عناد، جحود اور تکبر واستکبار کی وجہ سے اس کو ہدایت نصیب نہیں ہوئی۔

ماشاء اللہ! دین پڑھنے والی یہ طالبات دینی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد دین کی وہ خدمت کریں گی

اور دین کو اس طرح سینے سے لگائیں گی جس طرح بلقیس نے لگایا تھا، متنبّی کا مشہور شعر ہے آپ نے سنا ہوگا:

ولا التأنيث لاسم الشمس عيب

ولا التذكير فخر للهلال

ترجمہ:۔”مؤمن ہونا شمس کے لئے عیب کی بات نہیں ہے، شمس مؤنث ہے
اوراعلیٰ درجے کی چیز ہے، اور ہلال کے لئے مذکر ہونا فخر کی بات نہیں ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: عورتیں ناقصات العقل و ناقصات الدین ہیں، ناقصات الدین کا مطلب یہ ہے کہ بعض ایام ایسے آتے ہیں کہ جس میں وہ دین پر عمل نہیں کرسکتیں، یعنی اس نقص کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں ان کے اختیار کو کوئی دخل ہے، بلکہ یہ ایسے ہے جیسے ہم کہیں کہ فلاں کا قد چھوٹا ہے اور شاخ تک اس کا ہاتھ نہیں پہنچتا، حالانکہ وہ اپنی جگہ کامل مرد ہے۔ اسی طرح عورتوں کو ناقصات العقل کہا گیا ہے۔ عقل کی دو قسمیں ہیں: ۱:...عقل شرعی، ۲:...عقل عرفی۔ عورتوں میں عقل عرفی بہت اعلیٰ درجے کی ہے۔ شریعت نے عورتوں کو کس طرح ناقصات العقل کہا ہے؟ تو اس کا آسان جواب آپ کو بتاتا ہوں کہ ناقصات العقل سے مراد عقل شرعی ہے، عقل عرفی عورتوں میں بہت زیادہ ہوتی ہے، خود حدیث میں اس کا ذکر ہے کہ یہ عورتیں **أذهب للب الرجل الحازم من احداكن** ہوشیار مرد کو بھی بوتل میں اتارنے والیاں ہیں، گھر میں بھی اس کی حکومت چلتی ہے اور باہر بھی اس کی حکومت چلتی ہے۔

ہاں عقل شرعی کی کمی ہوتی ہے، اور عقل شرعی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی نتائج کو نہ سوچے، جب آدمی نتیجے پر غور نہیں کرتا تو اسے نقصان ہوتا ہے، جیسے عورت یہ کہتی ہے کہ فلاں موقع آرہا ہے اور اس پر ہمیں اتنا خرچ کرنا ہے، ختنے میں اتنا خرچ کرنا ہے، شادی میں اتنا خرچ کرنا اور منگنی میں اتنا خرچ کرنا ہے، اور فلاں رسم اس طرح ہونا چاہئے، تو شوہر اور باپ کے مال کو انہی چیزوں میں اڑاتی ہیں، اس معنیٰ میں ان کو ناقصات العقل کہا گیا ہے کہ نتائج کو وہ نہیں سوچتیں۔

بہر حال حضرت بلقیس بھی عورت تھی اور اسی طرح حضرت آسیہ بنت مجاز ب فرعون کے گھر میں تھی اور فرعون کے گھر میں پلی بڑھی، فرعون کی بیوی تھی، اس کے باوجود اللہ نے اس کو اعلیٰ درجے کی ہدایت کی توفیق نصیب فرمائی تھی، فرعون کا مقابلہ کیا اور سخت مشقتوں کو برداشت کیا، اسی طرح دین کی محنت میں آپ مشقتوں کو برداشت کریں اور اس محنت اور مشقت کے نتیجے میں اللہ آپ کو مالا مال فرمائیں گے ان شاء اللہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جن باکمال عورتوں کا تذکرہ ملتا ہے ان میں حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن بہت نمایاں ہیں، ان میں سے ہر خاتون کی دینی، علمی، عملی ہر اعتبار سے ہر ایک کی الگ خصوصیت تھی، گویا ہمیں یہ حکم ہو رہا ہے کہ ہماری عورتوں کو ان خصوصیات کے اپنانے کی کوشش کرنی چاہئے، اگر ان خصوصیات میں سے کوئی خصوصیت آپ میں نہیں، تو آپ کامل نہیں بلکہ ناقص ہوں گی۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ دین کے لئے قربانی دیتی تھیں، دین کے لئے جتنی

قربانی انہوں نے دی، اتنی قربانی دوسری عورتوں نے بہت کم دی ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور ان کو تسلی دینا اور ان پر اپنا مال خرچ کرنا اور ان کے ساتھ شعب ابی طالب میں رہنا اور بھوک و پیاس برداشت کرنا، یہ ان کی خصوصیات تھیں، اس خصوصیت کو ہم بھی اور ہماری عورتیں بھی اختیار کریں کہ اپنا مال دین پر خرچ کریں اور دین کے راستے میں بچے اور بچیوں پر تکلیف آئے یا شوہر پر تکلیف آئے تو ان کو حوصلہ دیں۔

جب رسول اللہ علیہ وسلم پریشان تھے تو حضرت خدیجہؓ نے فرمایا: اللہ آپ کو ذلیل ورسوا نہیں کریں گے۔

انک لتصل الرحم، آپ رشتہ داریوں کو پالتے ہیں۔

وتحمل الکل، اور آپ کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

وتکسب المال للمعدوم، اور مال کما کر ان کو دیتے ہیں، جن کے پاس مال نہیں ہے۔

وتعین علی نوائب الحق، اور حق کے راستے میں جو مصیبتیں پڑتی ہیں ان کی مدد کرتے ہیں، دیکھو! تسلی دینا، مال خرچ کرنا اور مصیبت برداشت کرنا یہ خصوصیت ہماری عورتوں میں بھی آنی چاہئے

جتنا عمل اونچا ہوتا ہے جزاء بھی اتنا ہوتی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جبریل نے مجھے فرمایا کہ: میں خدیجہ کو ایسے محل کی خوشخبری دوں جو موتی کا بنا ہوا ہے۔

جنہوں نے دین میں مشقت برداشت کی ان کے ساتھ خاص فضل وکرم اور راحت والا معاملہ ہوگا، ایک پہلو تو یہ ہے، اس پہلو سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

دوسری عورت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تھی وہ حضرت عائشہؓ تھیں، ان کی دیگر خصوصیات کے علاوہ ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ علم کے حاصل کرنے میں بہت زیادہ مشغول تھیں، محدثین نے راویوں کو تین حصوں پر تقسیم کیا ہے:

۱:- بعض راویوں کو مکثرین کہتے ہیں، جن صحابہ سے ایک ہزار سے زیادہ روایات مروی ہوں وہ مکثرین ہیں۔

۲:- جن راویوں سے سو سے لے کر ہزار تک احادیث مروی ہوں ان کو متوسطین کہتے ہیں۔

۳:- جن صحابہ سے سو سے کم احادیث مروی ہوں ان کو مقلین کہتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کا شمار مکثرات صحابہ میں سے ہے، اور ان سے ۲۲۱۰ احادیث مروی ہیں۔

سب سے پہلا مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ کا ہے ان سے ۵۳۷۴ احادیث مروی ہیں، اس کے بعد ابن عمرؓ ہیں، اس کے بعد حضرت انسؓ اور اس کے بعد حضرت عائشہؓ ہیں جن سے ۲۲۱۰ روایات مروی ہیں۔

تو ہماری خواتین کا فرض یہ ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کی وراثت کو سنبھالیں، ان کی وراثت علم کا پھیلانا ہے، حضرت عائشہؓ اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی علم سکھاتی تھیں، اور رشتہ داروں کے علاوہ دوسرے مرد صحابہ بھی پردے کے پیچھے بیٹھ کر ان سے علمی استفادہ کرتے تھے، جس پر کئی احادیث دال ہیں کہ پردے کے پیچھے سے

حضرت عائشہؓ نے یہ فرمایا، یہ فرمایا وغیرہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کی ایک خاتون حضرت فاطمہ تھیں، ان کو ایک نمایاں خصوصیت یہ حاصل تھی کہ وہ گھر کا کام کاج خود کیا کرتی تھیں، وہ واقعہ تو آپ سب جانتی ہوں گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام اور خادمائیں آئی تھیں، حضرت فاطمہؓ نے گھر کے کام کاج کے لئے ایک خادم طلب فرمایا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خادم عطا نہیں فرمایا بلکہ اس کی جگہ تسبیحاتِ فاطمہ سکھائیں۔

اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ تسبیحاتِ فاطمہ کو غنیٰ، مال داری اور رزق کی وسعت میں بہت بڑا دخل ہے۔

دوسری بات جو ہمیں اس روایت سے ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے خادم یا خادمہ کا انتظام نہیں فرمایا، کیونکہ گھر کا کام کاج خادم کے بغیر عورت چلا سکتی ہے۔

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خادم دے دیتے تو یہ مسئلہ بن جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو جب خادمہ ملی تھی تو ہم سب کو بھی خادمہ ملنی چاہئے، بغیر خادمہ کے کام ہی نہیں کریں گی۔ حالانکہ غریب اور متوسط گھرانوں میں یہ کام نہیں ہوتا یہ خادم اور خادمائیں نہیں ہوتیں۔

تو جیسے آپ کا کام علم سیکھنا ہے، اسی طرح آپ کا کام گھر کا کام کاج سیکھنا بھی ہے، آپ کی ڈیوٹی اور فرائض مردوں سے زیادہ ہیں، کیونکہ مردوں کا کام صرف باہر کا کام ہے، اور آپ کے ذمہ گھر کے کام کاج کے ساتھ علم کا کام بھی ہے جو کہ حضرت عائشہؓ و فاطمہؓ کا تھا، ایسا نہ ہو کہ بعد میں لوگوں کو پریشانیاں لاحق ہوں، آپ علیہ السلام کے گھر کی تینوں خواتین کی خصوصیات پر ہمیں نظر رکھنی چاہئے۔

پھر آج کل عورتوں کے مسائل اتنا زیادہ ہیں کہ مردوں کے لئے ان کا سمجھنا تو آسان مگر ان کا سمجھانا مشکل ہے، اور اگر عورت عورت کے ذریعے علم سیکھتی ہے تو اسے زیادہ فائدہ ہوتا ہے، اس لئے کہ جنس جب اپنی جنس کو سکھاتی ہے تو زیادہ فائدہ ہوتا ہے، الحمدللہ! یہ جامعہ کی شاخ ہے اور اچھا کام کر رہی ہے جس طرح طلبہ کو اس سے فائدہ ہے، اسی طرح طالبات کو بھی فائدہ پہنچ رہا ہے۔

یہ دنیا کی زندگی ہے اس علم اور دینی مشغلے کی برکت سے ان شاء اللہ دنیا کا وقت بھی اچھا گزرے گا اور دینی ماحول بھی آپ کی برکت سے بنے گا، جب دینی ماحول بنتا ہے تو اسے ہم نورانی ماحول کہتے ہیں، نورانی ماحول میں روشنی ہوتی ہے اور اس روشنی کی وجہ سے گھر میں سکون اور اطمینان ہوتا ہے، اب اگر کسی عالم کے گھر میں عالمہ بیوی ہو تو عالم شوہر بھی کتاب دیکھے گا اور عالمہ بیوی بھی کتاب دیکھے گی تو پھر کوئی نزاع اور جھگڑا نہیں ہوگا، اور اگر شوہر عالم ہو اور وہ کتاب دیکھتا ہے اور بیوی کتاب کے حروف کو بھی نہیں جانتی تو بیوی کہے گی کہ کتاب کیوں دیکھتے ہو؟ میرے ساتھ بات چیت کیوں نہیں کرتے؟

حضرت سفیان ثوریؒ کی بیوی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ کہتی تھی کہ: هٰذه الكتب أضر عليّ من ثلاث ضرائر، کہ سفیان کی کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں، اس لئے کہ شوہر کی لائن الگ تھی اور

بیوی کی لائن الگ تھی، اور جب دونوں کی ایک ہی علمی لائن ہو تو دونوں ایک دوسرے کے لئے معاون ہوتے ہیں، شوہر بیوی کے لئے اور بیوی شوہر کے لئے۔

صاحب بدائع وصنائع خود بھی مفتی تھے اور ان کی اہلیہ بھی مسائل بتایا کرتی تھیں، اور شوہر کے ساتھ تصنیف وتالیف اور افتاء میں مدد کیا کرتی تھیں، جو فتویٰ شائع ہوتا تھا اس میں دونوں کے دستخط ہوتے تھے، گویا کہ وہ بھی مدد کرتی تھیں، ماشاء اللہ آپ دینی ماحول میں بھی مدد کریں گی اور دنیوی ماحول میں بھی۔

اسی لئے ہمارے شیخ الشیخ یعنی شیخ الحدیث صاحبؒ کے ایک خلیفہ تھے اور وہ ڈاکٹر بھی تھے، کسی نے ان سے ایک مرض کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہہ دیا کہ فلاں ڈاکٹر سے رجوع کرو، جیسا کہ دوسرے ڈاکٹر کہتے ہیں۔ تو شیخ الحدیث صاحبؒ نے ان سے کہا کہ: ڈاکٹر صاحب! جیسے آپ کو تصوف کی لائن میں سب سے آگے ہونا چاہئے ایسے ہی ڈاکٹری کی لائن میں بھی آپ کو سب سے آگے ہونا چاہئے، تاکہ باہر کے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ان مولویوں نے ڈاکٹروں کو بھی خراب کردیا اور ان کی ڈاکٹری ختم ہوگئی۔

اسی طرح آپ کو اگر سلائی کڑھائی اور گھر کے کام کاج میں تجربہ نہیں ہوگا تو علم میں چاہے جتنا بھی تجربہ ہوگا لوگ اور دیگر عورتیں آپ کو ناقص اور غیر مکمل سمجھیں گی، اور وہ کہیں گی کہ یہ کیسی عورت ہے کہ جس کو عورتوں کا کام نہیں آتا؟ لہٰذا آپ وقت کو ضائع ہونے سے بچائیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ دوسری عورتیں تو صرف گھر کا کام کاج جانتی ہوں گی اور آپ کام کاج کے ساتھ علم بھی جانتی ہوں گی تو آپ کو فوقیت حاصل ہوگی، آپ اپنے اساتذہ کے لئے بھی صدقہ جاریہ بنیں گی اور والدین بھی خوش ہوں گے، یہ نہ ہو کہ والدین ناراض ہوں کہ جب گھر میں آتی ہیں تو صرف کتاب کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا ہے اور اس کے علاوہ کسی کام کو نہیں جانتی، لہٰذا اپنے اوقات کو تقسیم کرنا ہے کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک علم کا کام، اور فلاں وقت سے فلاں وقت تک گھر کا کام کروں گی۔

شمائل ترمذی میں یہ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رات کے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا تھا، ایک حصہ اہل وعیال کے لئے، ایک حصہ اپنے آرام کے لئے، جس میں سے کچھ حصہ نکال کر صحابہ کو دیا کرتے تھے، اور ایک حصہ اپنے رَبّ ذوالجلال کی عبادت کے لئے تھا۔

یہ سیرت کی کتابیں جب ہم پڑھتے ہیں تو یہ صرف پڑھنے کے لئے نہیں ہیں، بلکہ سیکھنے کے لئے بھی ہیں، ہم بھی اپنے اوقات، دن کے ہوں یا رات کے ان کو تقسیم کرلیں اور یہ ترتیب بنالیں کہ فلاں وقت سے فلاں وقت ہمیں یہ دینی کام کرنا ہے، اور فلاں وقت سے فلاں وقت ہمیں یہ دنیوی کام سیکھنا ہے، والدہ اور والد کی خدمت کرنی ہے، شوہر اور بچوں کی خدمت کرنی ہے، اسی طرح اوقات کو تقسیم کرنا چاہئے، بہر حال اللہ تعالیٰ آپ کو برکات سے نوازیں اور آپ سے دین کی خدمت لے لیں۔

☆☆...☆☆

پریشانیوں سے نجات کا نسخہ

محمد راشد، ڈیرہ اسماعیل خان

اس وقت پوری امت گوناگوں مسائل، امراض اور پریشانیوں میں گھری ہوئی ہے، اور طرح طرح کے عذابات کا شکار ہے، ہم نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ اس سے نجات کی کیا صورت ہے، زیر نظر مضمون میں اس عمل کی ترغیب دی گئی ہے، جس کے اہتمام سے امت عذاب سے محفوظ ہوسکتی ہے، خود بھی اس عمل کا اہتمام کیجئے اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں، انشاء اللہ امت کے حالات درست ہو جائیں گے۔

استغفار کی کثرت عذاب سے بچنے کا ذریعہ:

استغفار ایک ایسا عمل ہے جس پر وعدۂ خداوندی ہے کہ امت عذاب سے محفوظ رہے گی، آج ہم جو طرح طرح کے عذابات کا شکار ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے معافی اور استغفار نہیں کرتے، کیونکہ اگر ہم گناہوں کے بعد سچے دل سے استغفار کرتے رہتے تو ہم اس طرح کے پریشان کن حالات سے ہرگز دوچار نہ ہوتے، کیونکہ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

''وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم وما كان الله معذبهم وهم يستغفرون۔'' (الانفال:۳۳)

ترجمہ:۔''اور اللہ تعالیٰ ہرگز نہ عذاب کرتا ان پر جب تک تو رہتا ان میں اور اللہ ہرگز نہ عذاب کرے گا ان پر جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ: ارض کائنات میں دو امان دیئے گئے، زمین کے دو امان میں سے ایک تو اٹھالیا گیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور دوسرا باقی رہ گیا اور وہ استغفار ہے، اس کو مضبوط پکڑلو (روح کی بیماریوں کا علاج ص:۳۱)

معلوم ہوا کہ امت جب تک استغفار کرتی رہے گی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہے گی، اس کی مزید

تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے۔

مسند احمد میں حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

''العبد امن من عذاب الله کا ن استغفر الله''

ترجمہ:۔ ''بندہ عذاب خداوندی سے امن میں ہے جب تک کہ وہ استغفار کرتا ہے۔''

معلوم ہوا کہ ہمیں ہر وقت استغفار یعنی گناہوں سے معافی مانگتے رہنا چاہئے۔

استغفار کیا ہے؟

استغفار کا معنی ہے: مغفرت طلب کرنا، یعنی جب انسان سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو جائے اور انسان اس پر نادم ہو گیا کہ میں نے اپنے خالق و مالک کی نافرمانی کی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگا تو شرع میں اس کو استغفار کہتے ہیں، لیکن استغفار میں اپنے گناہوں پر سچے دل سے ندامت ہو کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟

حضرت رابعہ بصریہؒ کا ارشاد ہے کہ: ہمارا استغفار ایک اور استغفار کا محتاج ہے، یعنی گناہوں سے سچے دل سے استغفار نہیں کرتے۔

امام غزالیؒ کا ارشاد ہے کہ: استغفار سے قبل ندامت ضروری ہے، ورنہ یہ استغفار جو ندامت کے بغیر ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استہزاء کے مترادف ہے۔ (روح کی بیماریوں کا علاج ص:۷۶)

اللہ کی رحمت وسیع ہے

انسان کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو، اسے کبھی بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے، اللہ کی وسیع رحمت کے سامنے ہمارے گناہوں کی کیا حیثیت ہے، بشرطیکہ انسان گناہوں پر نادم بھی ہو، چنانچہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ شیطان نے کہا کہ اے رب! قسم ہے تیری عزت کی کہ میں تیرے بندوں کو بہکاتا ہی رہوں گا، جب تک کہ ان کی روحیں ان کے جسموں میں رہیں گی، اس پر اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی اور رتبۂ بلندی کی قسم ہے، میں ان کو بخشتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے۔ (مشکوٰۃ)

کثرت سے استغفار کرنے والے:

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہت عمدہ حالت ہے، اس شخص کے لئے جو (قیامت کے دن) اپنے اعمال نامے میں کثیر استغفار پائے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ جو شخص چاہے کہ قیامت کے دن اس کا اعمال نامہ اس کو خوش کردے تو اس کو کثرت سے توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہئے۔

استغفار کی برکت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نگرانی کرنے والے دو فرشتے (یعنی اعمال لکھنے والے) کسی بھی دن جب اللہ جل شانہ کے حضور (کسی کا اعمال نامہ) پیش کرتے ہیں اور اس کے اول و آخر میں استغفار لکھا ہوتا ہے تو اللہ جل شانہ کا ارشاد ہوتا ہے کہ میں اپنے بندہ کا وہ سب کچھ بخش دیا جو اس اعمال نامہ کے اول و آخر کے درمیان ہے۔ (بزاز)

استغفار کرنے والا گناہوں پر اصرار کرنے والا نہیں:

انسان سے بوجہ بشریت گناہ کا صدور ممکن ہے، لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ گناہ ہو جانا اور چیز ہے اور گناہ کرتے رہنا اور چیز ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

”ولم یصروا علی مافعلو وھم یعلمون۔“ (ال عمران:۱۳۵)

ترجمہ:۔”اور اڑتے نہیں اپنے کیے پر اور وہ جانتے ہیں۔“

قابل ملامت اصرار علی المعصیت ہے، یعنی گناہ کرتے رہنا بُرا ہے، لیکن گناہ کے بعد اگر کوئی استغفار بھی کر رہا ہے تو اللہ کے نزدیک یہ گناہوں پر اصرار کرنے والا نہیں، چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص استغفار کرتا رہے، وہ ان لوگوں میں شمار نہیں جو گناہوں پر اصرار کرنے والے ہیں، اگرچہ ایک دن میں ستر مرتبہ گناہ کرے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

اللہ کی اس رحمت و مغفرت سے ہم فائدہ نہ اٹھائیں تو اس میں کسی کا کیا نقصان ہے، اپنی ہی کم نصیبی ہے، اگر گناہ نہیں چھوڑتے تو کم از کم سچے دل سے استغفار یعنی اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی تو مانگتے رہیں، وہ تو اتنا رحیم ہے کہ جب بھی معافی مانگی جائے، فوراً معاف فرما دیتا ہے، لیکن ہم استغفار کرنے یعنی معافی مانگنے میں بھی غفلت کرتے ہیں۔

دنیوی پریشانیوں کا حل:

کثرتِ استغفار سے جہاں گناہوں کی معافی ہوتی ہے، وہاں دنیا کے مسائل بھی حل ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص استغفار میں لگا رہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر دشواری سے نکلنے کا راستہ بنا دیں گے اور ہر فکر کو ہٹا کر کشادگی فرما دیں گے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیں گے، جہاں سے اس کو دھیان بھی نہ ہوگا۔ (ابوداؤد)

لوگ دشواریوں کو ختم کرنے اور تفکرات سے نجات پانے اور رزق حاصل کرنے کے لئے کیا کیا جتن کرتے ہیں، لیکن استغفار میں نہیں لگتے جو کہ بہت آسان نسخہ ہے، جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کا وعدہ ہے کہ استغفار میں لگنے والا بندہ مذکورہ فوائد حاصل کرے گا۔

استغفار کرنے پر جن انعامات کا ذکر ہوا، وہی انعامات متقین کے لئے بھی وارد ہوئے ہیں، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جائیے کہ آپ کی رحمت نے یہ گوارا نہ کیا کہ میری امت کے خطا کار بندے محروم رہ جائیں، پس مستغفرین وتائبین (توبہ واستغفار کرنے والوں) کے لئے بھی ان ہی انعامات کا وعدہ فرمایا جو متقین کو عطا ہوں گے (فضائل توبہ واستغفار، ص:۲۶)

لہٰذا ہمیں گناہوں پر سچے دل سے استغفار کرنا چاہئے، تاکہ ہم بھی مذکورہ انعامات کے مستحق ہوسکیں۔

حکایت:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے قحط سالی کی شکایت کی، یعنی بارش نہ ہونے کی، تو انہوں نے فرمایا: استغفار کرو، دوسرے نے تنگدستی کی شکایت کی، تو اس کو بھی فرمایا کہ: استغفار کرو، تیسرے آدمی نے اولاد نہ ہونی کی شکایت کی، تو اس کو بھی فرمایا کہ: استغفار کرو، چوتھے نے شکایت کی کہ پیداوار زمین میں کمی ہے، تو ان کو بھی فرمایا کہ: استغفار کرو، پس کہا گیا کہ آپ نے ہر شکایت کا ایک ہی علاج تجویز فرمایا؟ تو انہوں یہ آیت تلاوت فرمائی:

''استغفروا ربکم انہ کان غفاراً یرسل السماء علیکم مدراراً ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انہاراً۔'' (نوح:۱۰)

ترجمہ: ''گناہ بخشواؤ اپنے رب سے بے شک وہ ہے، بخشنے والا، وہ کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغات بنادے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری فرمادے گا۔''

یعنی استغفار پر اللہ تعالیٰ نے جن جن انعامات کا اوپر والی آیت میں ذکر فرمایا ہے تو ان چاروں شخصوں کو انہی کی حاجت درپیش تھی، لہٰذا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے سب کو استغفار ہی تلقین فرمایا۔

مصائب کا حل، استغفار کا اہتمام:

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہرچہ بر تو آید از ظلماتِ غم　　آن زبیاکی و گستاخی است ہم
غم چوں بینی زود استغفار کن　　غم بامر خالق آید کارکن

ترجمہ: مولانا رومیؒ فرماتے ہیں: اے انسان جو کچھ تجھ پر غم ومصائب اور ظلماتِ

غم آتے ہیں وہ سب تیری بیبا کی اور نافرمانی اور گستاخی کے سبب آتے ہیں، پس جب تو غم اور مصائب دیکھے تو جلد استغفار کر، کیونکہ یہ غم خدا کے حکم سے آتا ہے، ارشاد خداوندی ہے:
اولا یرون انھم یفتنون ،یعنی اور کیا ان کو دکھائی نہیں دیتا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں پھر بھی وہ باز نہیں آتے اور نہ وہ کچھ سمجھتے ہیں۔"

پوری امت کے لئے استغفار:

اپنے گناہوں پر تو استغفار کرنا ہی ہے، ساتھ ہی پوری امت کے لئے بھی مغفرت کی دعا کرنی ہے اور انہیں اس بات کے لئے آمادہ کرنا ہے کہ ہم سارے کے سارے اللہ سے معافی مانگنے والے بن جائیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے یہ سنا ہے کہ: جو شخص مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے استغفار کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر مومن اور ہر مومنہ کے (استغفار) کے عوض ایک نیکی لکھ دے گا۔ (طبرانی)

کتنا سستا سودا ہے کہ تمام مومن مردوں اور عورتوں کے استغفار کے بدلے ایک ایک نیکی سے ہر مسلمان کے لئے کروڑوں نیکیاں جمع ہو جائیں گی۔

استغفار کے آسان صیغے:

۱:......**استغفر الله ربی من کل ذنب واتوب الیه۔**

۲:...... **رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین۔**

۳:......**استغفر الله العظیم الذی لا اله الا هو الحی القیوم واتوب الیه۔**

اپنے گناہوں کو یاد کر کے ان میں سے کسی ایک صیغے کی روزانہ ایک تسبیح پڑھتے رہیں۔

توبہ:

استغفار کے ساتھ ساتھ توبہ کا بھی اہتمام ہو، استغفار کا مطلب گناہوں کی مغفرت چاہنا، جب کہ شرعی اصطلاح میں معصیت سے طاعت کی طرف لوٹنے اور رجوع ہونے کا نام توبہ ہے، یعنی توبہ کرتے ہوئے اگر گناہوں کو نہیں چھوڑتا تو یہ حقیقی توبہ نہیں ہے۔

توبہ اور استغفار جدا جدا ہیں:

ارشاد خداوندی ہے: "**استغفروا ربکم ثم توبوا الیه**"......(ھود:۵۲) گناہ بخشواؤ اپنے رب سے پھر رجوع کرو اس کی طرف......

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر استغفار اور توبہ ایک ہی حقیقت رکھتے تو حق تعالیٰ شانہ دونوں کو الگ

الگ بیان نہ فرماتے۔حدیث شریف میں آتا ہے: ''التوبة ندم ''یعنی توبہ ندامت اور شرمندگی کا نام ہے۔توبہ کی ایک شرط یہ ہے کہ: اس گناہ کو چھوڑ دے، اگر گناہ نہیں چھوڑتا تو یہ صرف زبان سے توبہ اور استغفار کر رہا ہے، جو صحیح توبہ نہیں ہے، اگر چہ استغفار کا ثواب مل جائے گا۔ (اصلاحی مقالات ص:۲۷۵)

توبہ کی ضرورت:

اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہمارا کوئی وقت گناہ سے خالی نہیں، کیونکہ گناہ کا معنی ہے: خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرنا، اب دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں کس کس بات کا حکم دیا ہے اور کن کن کاموں سے منع فرمایا ہے اور ہم ان میں سے کتنے امور سے بچتے ہیں، تو معلوم ہوگا کہ ہمارا کوئی وقت گناہوں سے خالی نہیں، اس لئے ہمیں ہر وقت توبہ کی ضرورت ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

''یا ایھاالذین آمنوا توبوا الی اللہ توبة نصوحاً۔'' (التحریم:۸)

ترجمہ:...... ''اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی طرف صاف دل کی توبہ۔''

تمام مومنوں سے خطاب کرتے ہوئے حکم خداوندی ہے:

''وتوبوا الی اللہ جمیعاً ایھا المومنون لعلکم تفلحون۔''(نور:۳۱)

ترجمہ:''۔اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو تا کہ تم بھلائی پاؤ۔''

خدا تعالیٰ کا کس قدر احسان ہے کہ یوں نہیں فرمایا کہ: بالکل گناہ ہی نہ کرو، بلکہ یہ فرمایا کہ: اگر گناہ ہو جائے تو توبہ کرو۔صاحبو! اس میں تو کوئی دقت نہیں ہے، اس میں تو ہمت نہیں ہارنی چاہئے۔

مایوسی گناہ ہے

پس معلوم ہوا کہ آدمی کی خوش بختی اسی میں ہے کہ سابقہ گناہوں سے سچے دل سے معافی مانگ کر اللہ کی طرف رجوع کرلے، وہ مالک سارے گناہ معاف فرمادے گا، چاہے وہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، اللہ کی رحمت سے کبھی بھی مایوس نہ ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کیسے اطمینان اور تسلی دے رہے ہیں:

''قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطو من رحمة اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً انہ ھو الغفور الرحیم۔'' (زمر:۳)

ترجمہ:۔''(اے پیغمبر ﷺ) کہہ دے اے میرے بندو! جنہوں نے کہ اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں، تم خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دے گا، واقعی وہ بڑا بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' (جاری ہے)

عجیب واقعہ اور عجیب ترین استدلال

حضرت مولانا عطاء الرحمن ڈیرہ اسماعیل خان

(الاشباہ والنظائر' ج:۲' ص:۵۷۰) ''الفصول المهمه فی مناقب الائمه'' کے حوالہ سے خنثیٰ مشکل کے بارے میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک ایسا واقعہ پیش ہوا' جس نے اس زمانہ کے تمام علماء کرام کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا کہ:

ایک شخص نے ایک خنثیٰ سے شادی کی اور مہر میں اس شخص نے اپنی بیوی (خنثیٰ) کو ایک لونڈی دی' وہ خنثیٰ اس قسم کا تھا کہ اس فرج' مردوں اور عورتوں دونوں قسم کا تھا' اس شخص نے اپنی بیوی (خنثیٰ) کے ساتھ جماع کیا تو اس سے ایک لڑکا تولد ہوا اور جب اس خنثیٰ نے اپنی لونڈی کے ساتھ جماع کیا تو اس سے بھی ایک لڑکا پیدا ہوا' یہ بات مشہور ہوگئی اور معاملہ امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے خنثیٰ مشکل سے سوال کیا تو اس نے بتایا کہ اس کا فرج عورتوں والا بھی ہے' کہ اس سے ماہواری بھی آتی ہے اور مردوں والا بھی ہے کہ اس سے خروج منی بھی ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ نے اپنے دونوں غلاموں برق اور قنبر کو بلایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ خنثیٰ مشکل کی دونوں طرف والی پسلیاں شمار کریں' اگر بائیں جانب کی ایک پسلی دائیں جانب کم ہو تو پھر اس خنثیٰ مشکل کو مرد سمجھا جائے گا' ورنہ عورت' وہ اسی طرح ثابت ہوا' تو حضرت علیؓ نے اس کے مرد ہونے کا فیصلہ صادر فرمایا اور اس کے خاوند اور اس کے درمیان تفریق کردی' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اکیلا پیدا فرمایا اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر احسان کا ارادہ فرمایا کہ اس کا جوڑ پیدا فرمائے تا کہ ان میں سے ہر ایک اپنے جوڑے سے سکون حاصل کرے' جب حضرت آدم علیہ السلام سو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بائیں جانب سے اماں حضرت حواؑ کو پیدا فرمایا' جب بیدار ہوئے تو ان کی بائیں جانب ایک حسین وجمیل عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ تو اس لئے مرد کی بائیں جانب کی پسلی عورت سے کم ہوتی ہے اور عورت کی دونوں جانب کی پسلیاں برابر ہوتی ہے' کل پسلیوں کی تعداد چوبیس ہے' بارہ دائیں جانب اور بارہ بائیں جانب ہوتی ہیں جبکہ مرد کی دائیں جانب بارہ اور بائیں جانب گیارہ ہوتی ہیں' تو مرد کی کل پسلیاں چوبیس کی بجائے تئیس ہوتی ہیں' اس حالت کے اعتبار سے عورت کو ''ضلع اعوج'' کہا جاتا ہے' اور حدیث شریف میں تصریح ہے کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے' اگر تو اس کو سیدھا کرنا چاہے تو یہ ٹوٹ جائے گی' اس لئے اس کو اپنی حالت پر چھوڑ کر اس سے نفع اٹھا۔

قرآن وسنت میں نماز ادا کرنے کے آداب واحکام

جناب عبدالمجیب صاحب

جس طرح اللہ تعالیٰ کے حضور نماز ادا کرنا فرض ہے اسی طرح ہر نمازی پر یہ بھی فرض ہے کہ وہ نماز کی ادائیگی کے دوران قرآن وسنت کے احکام کی پابندی کرے۔

صلوٰۃ (نماز) کے معنی ہیں: کسی کی جانب رخ کرکے آگے بڑھنا' اس کے قریب ہوجانا اور دعاء کرنا۔لہذا نماز کی لفظی ومعنوی حقیقت تین نکات پر مشتمل ہے۔

۱:- یہ کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں شعوری طور پر بڑھ کر حاضر ہوجانا

۲:- اللہ تعالیٰ کے حضور ہمہ تن متوجہ ہوجانا۔

۳:- اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوجانا۔نماز کے ان تینوں بنیادی لوازمات کے ساتھ نماز میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کے طریقے کے لئے قرآن وسنت کے احکام کی پابندی بھی لازم وواجب ہے۔لہذا ضروری ہے تمام نمازی نماز کے متعلق قرآن وسنت کی چند اہم ترین شرائط پوری کریں' جو مختصراً یہ ہیں:

۱- نماز سے متعلق اولین حکم الٰہی یہ ہے کہ نمازی پورے شعور کے ساتھ اپنا رخ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کعبۃ اللہ کی جانب کرلے جو دنیا میں انسانوں کے لئے بنایا گیا۔سب سے پہلا گھر (بیت اللہ) ہے جیسے ہی نمازی یہ شعوری عمل کرتا ہے' اللہ تعالیٰ خود اس نمازی کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے یعنی اس کی عزت افزائی فرماتا ہے۔اس عظیم عزت وسعادت کا درج ذیل دو ارشادات الٰہی اور ایک فرمان نبوی ﷺ سے کسی قدر اندازہ ہوجاتا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے:

۱:-''ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین'' (آل عمران:۹۶)

ترجمہ:-''یقیناً اولین گھر (بیت اللہ) جو لوگوں کے عبادت کے لئے بنایا گیا' وہ مکہ مکرمہ میں ہے اور ساری دنیا کے لئے مرکز ہدایت ہے''۔

۲:-''وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ''۔ (البقرہ:۱۵۰)

ترجمہ:-''مسلمانو! تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا رخ (نماز کے لئے) مسجد الحرام کی جانب

کرلیا کرو''۔

''اللہ نے فرمایا ہے کہ جب بندہ چل کر میرے پاس آتا ہے (نماز کے لئے) تو میں دوڑ کراس کے پاس پہنچ جاتا ہوں''۔ (مشکوٰۃ:۱۹۶)

اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے ان ارشادات کے مطابق اگر نمازی پورے شعور کے ساتھ اللہ کے روبرو ہوجاتا ہے تو جواباً اللہ تعالیٰ خود ایسے نمازی کا استقبال کرتا ہے۔ایسی حاضری وحضوری سے اس بندہ غلام کو اپنے مولاو مالک سے آغاز نماز میں ہی اتنی بڑی توقیر وتکریم مل جاتی ہے' ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اتنے بڑے احسان واکرام پر ہر ذی ہوش نمازی اپنے معبود کے حضور شکر وسپاس کا پیکر بن جائے گا اور نماز شروع کرے گا۔

۲-اب اس شکر وسپاس کے احساس سے معمور نمازیوں کو اپنے خالق ومالک کا اگلا حکم پیش نظر رکھنا چاہئے جو یہ ہے:''**وقوموا لله قانتين**''۔(البقرہ:۲۳۸) یعنی''اللہ کے حضور(نماز میں) عاجزی' انکساری اور جذبۂ تابعداری کے ساتھ کھڑے ہوا کرو''۔

اس حکم ربانی پر عمل کے لئے ضروری ہے کہ رب العالمین کی بے حساب نعمتوں' رحمتوں اور برکتوں کو لمحہ بھر کے لئے یاد کرلیا جائے' تاکہ دل ودماغ بالکل یکسو ہوجائیں' اس طرح آسانی سے بندہ مومن اپنے رب کے دربار میں مکمل مؤدب کھڑا ہوجائے گا' جیسا کہ ایک حقیر وفقیر غلام آقا کے سامنے ہو۔

۳-جوں ہی نمازی اللہ کے حضور مؤدب اور مکمل یکسو ہوجائے تو ضروری ہے کہ وہ قرآن وسنت کے درج ذیل احکام کو بھی ذہن میں تازہ کرلے' قرآن کریم میں ہے:

''**وتوكل على العزيز الرحيم الذي يراك حين تقوم وتقلبك في الساجدين**''۔ (الشعراء:۲۱۷'۲۱۹)

ترجمہ:''تم اللہ عزیز ورحیم پر توکل کرو جو دیکھتا ہے تم کو جب کھڑے ہوتے ہو (نماز میں) اور دیکھتا ہے تمہاری نقل وحرکت سجود کرنے والوں کے درمیان بھی''۔

حدیث میں ہے:

''**ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك**''۔(مشکوٰۃ:۱۱)

ترجمہ:''تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو' اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو خیال رکھو کہ وہ تو ضرور تم کو دیکھ رہا ہے''۔

ان دونوں احکام کا مطلب یہ ہے کہ ہر نمازی اچھی طرح جان لے کہ اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہے اور نمازی اپنی پوری نماز میں کم از کم یہ احساس رکھے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

۴-اوپر بیان کردہ تمام احکامات پر عمل کرنے سے نمازی کو نہ صرف لذت شکر گزاری' عاجزی اور

یکسوئی حاصل ہوگی' بلکہ وہ اسی عالم کیف وسرور میں اپنے معبود حقیقی کو دیکھ بھی لے گا' بس اسی قیمتی لمحے میں نمازی کوفوراً ''اللہ اکبر'' (اللہ ہی بڑا ہے) کا اعلام اکبر کر کے خود کو ہاتھ باندھے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہئے۔

اس طرح آغاز نماز سے اختتام نماز تک کے سارے الفاظ اور افعال یعنی سب سے پہلے خودسپردگی کا اظہار ہاتھ اٹھائے کرنا' پھر ہاتھ باندھے کھڑے ہونا' زبان سے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کلمات ادا کرنا' اس کے حضور جھک کر رکوع کرنا' اس کے قدموں میں سجدہ ریز ہوکر انتہائی پستی اختیار کرنا اور اس کے حضور دوزانو ہوکر مؤدب بیٹھ جانا' یہ سب کچھ مختلف اداؤں میں بندگی کا قول وقرار بھی ہے اور اللہ کی غلامی کا عملی اظہار بھی۔ لہٰذا یہ سب ہی کچھ شعوری طور پر اور پوری دلجمعی کے ساتھ کرنا ضروری ہے۔

مزید برآں یہ کہ مذکورہ ہر فعل عبدیت انجام دیتے وقت نماز میں زبان سے جو کچھ ادا کیا جاتا ہے' اس کے معنی ومفہوم کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے' ویسے تو عام زندگی میں بھی یہ ہی تہذیبی اور اخلاقی تقاضہ ہوتا ہے کہ کسی بھی مخاطب کو سوچ سمجھ کر اور ہوش وحواس کے ساتھ خطاب کیا جائے۔ نماز میں اللہ سے دعائیں بھی مانگیں جاتی ہیں' اگر مانگنے والے کو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ وہ کیا کچھ مانگ رہا ہے تو ایسی غفلت اللہ رب العزت کی توہین کے مترادف ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے یہ شرط عائد کر دی ہے کہ نماز نہ صرف بقائم ہوش وحواس ادا کی جائے' بلکہ نماز میں مقررہ الفاظ وکلمات بھی اور ان کے معنی ومفہوم بھی سمجھتے ہوئے ادا کئے جائیں' واضح طور پر فرمادیا گیا ہے کہ:

''یا ایھا الذین آمنوا لاتقربوا الصلوٰة وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ما تقولون''۔ (النساء:۴۳)

ترجمہ:۔''اے اہل ایمان! تم نشے (مدہوشی) میں نماز کے قریب نہ جاؤ حتی کہ تم (ہوش میں) پوری طرح سمجھو کہ کیا کچھ (مجھ سے) کہہ رہے ہو''۔

ترجمہ:...''بندے کا نماز میں اتنا ہی حصہ (ادائیگی فرض) ہے جتنا کہ وہ اس کو سمجھ کر ادا کرے'' (امام غزالی)

پس قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہے کہ الفاظ وکلمات کو سمجھتے ہوئے ادا کرنا چاہئے' اس حکم کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ نماز میں تلاوت قرآن بھی کی جاتی ہے اور عربی میں تلاوت کے ایک معنی ''اتباع وپیروی'' کے ہیں اور اتباع وپیروی بغیر سمجھے ممکن ہی نہیں' اس لحاظ سے بھی معنی ومفہوم کے ساتھ تلاوت قرآن ضروری ہے۔

مثلاً نماز میں سورہ فاتحہ کی تلاوت کی جاتی ہے جس کے پہلے حصے میں اللہ کی حمد وثناء ہے' اس کے درمیانی حصے میں اللہ سے یہ عہد وپیمان ہے کہ:

''ہم صرف تیری عبادت (بندگی) کرتے ہیں اور صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں''۔

اور اس کے آخری حصے میں دعاء ہے' راہ مستقیم پر چلنے کے لئے اور بچنے کے لئے ان سے جن پر اللہ کا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے۔

اللہ سے ایسا قول وقرار' ایسا عہد وپیان اور ایسی معنی خیز دعا تو دل کی گہرائیوں سے اور معنی ومفہوم سمجھتے ہوئے کرنا ضروری ہے' یہ ہی صورت وکیفیت دیگر آیات قرآن کی تلاوت کے وقت بھی لازم ہے۔ یہ ہی حال اس دوران بھی واجب ہے جب رکوع میں سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا جائے ''**سبحان ربی العظیم**'' (پاک ہے میرا رب عظیم) اور پھر سجدے میں پیشانی کے بل گرے اور اللہ کے قدموں میں پست ترین بن کر کہا جائے کہ ''**سبحان ربی الاعلیٰ**'' (پاک ہے میرا رب اعلیٰ) بالکل اسی طرح شعوری طور پر کلمات تشہد' درود اور دعائے قنوت وغیرہ ادا کرنا اور پورے ہوش وگوش کے ساتھ نعرۂ کبریائی ''اللہ اکبر'' بار بار لگانا بھی اللہ کے نزدیک مقصود نماز ہے۔ مختصراً یہ کہ نماز بطور رسم کی بجائے بافہم وشعور ادا کرنا ضروری ہے۔

۵- درج بالا صحیح طریقہ نماز سے تمام عوامل یعنی جسم وجان' فکر ونظر' قلب وروح اور زبان وذہن سب کے سب اللہ تعالیٰ کی جانب مرتکز ہو جائیں گے' بالفاظ دیگر بیان کردہ غلامانہ ہیئت نماز' عاجزانہ کیفیت نماز اور بامعنی کلمات نماز کا ہونا' وہ نسخۂ کیمیا ہے جس سے نماز کے ظاہر اور باطن اجلے ہو کر بندے کی بندگی کو مطلوبہ معیار تک پہنچا دیتے ہیں۔

آگے اس بندگی اور زندگی کو اوج کمال پر پہنچا دینے کے لئے رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو ایک نادر نسخہ عنایت فرمایا ہے جو یہ ہے:

> ''تم لوگ نماز اس طرح ادا کرو جیسے کہ اسی وقت مر رہے ہو اور اپنی الوداعی نماز ادا کر رہے ہو''۔ (مسند احمد' مشکوٰۃ)

یہ ہدایت نبوی ﷺ نماز کے ان آداب واحکام کی تکمیل کر دیتی ہے جو اس سے قبل بیان ہو چکے ہیں' اس ہدایت کی پابندی سے ہر نمازی اللہ کے روبرو ہوتے ہی قدرتی طور پر خوف وخشیت اور خشوع وخضوع سے مزین ہو جائے گا کہ جیسے یہ اس کی آخری نماز ہو' پھر وہ ایسی نماز کے مکمل ہونے پر بھی اگلی نماز تک موت کو یاد کرتے ہوئے شریعت اسلامیہ کے دیگر احکام زندگی کی پاسداری کرتا رہے گا اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کا اطاعت شعار' وفادار اور تابعدار بندہ بنا رہے گا' یہ ہی تو معراج مومن ہے اور اس اعزاز کو برقرار رکھنے کے لئے آخری سانس تک جہد مسلسل کرنی ہوگی۔

۶- جب مومن خشیت الٰہی سے مسلح ہو کر اللہ کا ہمہ وقت سپاہی بن جاتا ہے تو دنیا وآخرت میں اس کی کامیابی وکامرانی کا اعلان اللہ تعالیٰ اس طرح کرتا ہے:

> ''قدافلح المؤمنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون''۔ (المؤمنون:۱'۲)

ترجمہ:۔ ”یقیناً فوز وفلاح پاگئے وہ اہل ایمان جو اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع اور خوف وخشیت اختیار کرتے ہیں“۔

اس آیت قرآن کے ذریعہ اہل ایمان کی کامیابی وکامرانی کو اس شرط کے ساتھ مشروط کردیا گیا ہے کہ نمازوں میں خشیت الٰہی اور خشوع وخضوع اختیار کیا جائے‘ اس شرط کو پورا کرنے کی واحد صورت یہ ہے کہ تمام اہل ایمان پورے عقل وشعور‘ احساس پستی وتابعداری اور معنی ومفہوم کے ساتھ نمازوں میں اللہ سے ہم کلامی کریں۔

۷-قرآن وسنت میں نماز کے بنیادی آداب واحکام کا آخری نکتہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اس کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہئے جو نمازی بیان کردہ بنیادی لوازمات اور شرائط کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتے ہیں‘ ان کو اللہ تعالیٰ صاف صاف متنبہ کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ:

”فویل اللمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون“۔ (الماعون:۴‘۵)

ترجمہ:۔ ”پس تباہی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غفلت (عدم توجہی) برتتے ہیں“۔

یہ قرآنی فرمان انتہائی عبرت انگیز اور عبرت آموز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مقررہ آداب واحکام سے غفلت والی نمازیں بیکار ہی نہیں‘ بلکہ نمازیوں کے لئے باعث تباہی بھی ہیں‘ مثلاً: نمازوں میں غفلت اس بات سے کہ اللہ کے حضور حاضر بھی ہیں اور اس سے مخاطب بھی ہیں‘ لیکن اس کا شعور نہیں رکھتے۔

غفلت اس بات سے کہ اپنے رب سے بہت کچھ مانگ رہے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ کیا مانگ رہے ہیں۔

غفلت اس بات سے کہ اللہ کے روبرو عہد وپیمان تو باندھ رہے ہیں لیکن اس کے معنی ومفہوم سے بے خبر ہیں۔

پھر غفلت اس بات سے بھی کہ اپنے آقا کے سامنے مجسم سرنگوں اور سربسجود تو ہیں مگر خود سپردگی کی اصل روح سے محروم ہیں۔ مختصراً یہ کہ ایسی بے جان اور بے روح نمازیں جو غفلت اور لاپرواہی سے ادا کی جاتی ہیں‘ وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور توہین کے مترادف ہوجاتی ہے اور بالآخر تباہی کا باعث بن جاتی ہے‘ اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ بیان کردہ احکام کی روشنی میں اپنی نمازوں کا جائزہ لیا جائے پھر جتنی کمی یا کسر پائی جائے اسے پورا کرنے کی کوشش فوراً شروع کی جائے‘ تاکہ رفتہ رفتہ حق نماز پورا ادا کیا جائے‘ صرف اس طرح ہی سارے مومنین اس دینی اور دنیوی کامیابی کے حقدار ہوسکیں گے جس کی ضمانت خود اللہ تعالیٰ نے محولہ بالا سورۂ مومنون کی آیات۔ ا‘ ۲ میں دی ہے۔

☆☆....☆☆

پُرسکون زندگی

گل نواز ایوبی، درجہ خامسہ

کائنات کی ہر ذی روح چیز میں خواہشات کا مادہ ہے' چاہے انسان ہو یا حیوان۔ اگر یہ کہا جائے کہ خواہشات کی گھٹی ان کو پلائی گئی ہے تو اس سے انکار ممکن نہیں۔ انسان کی لامتناہی خواہشات میں سے ایک مشترکہ خواہش ایک پُرسکون زندگی کا خواب ہے جس کو پورا کرنے کے لئے بسا اوقات انسان خاکِ شرق وغرب کو بھی چھان لیتا ہے' جس کو آج کل کی اصطلاح میں ٹورسٹ سے تعبیر کیا جاتا ہے' البتہ یہ ضروری نہیں کہ پُرسکون زندگی کے حصول کے لئے دردر کی خاک کو چھان لیا جائے' بلکہ بعضوں کو یہ نعمت عظمی اپنے گھروں میں ہی دستیاب ہے۔ اس نعمت عظمی سے مالا مال لوگوں میں اکثریت مذہب اسلام کے متبعین کی ہے اور اس نعمت سے محروم لوگوں میں اکثریت دین اسلام کے علاوہ ادیان باطلہ کے پیروکاروں کی ہے۔ بے سکونی کا مرض مسلمانوں میں بہت کم پایا جاتا ہے' اس لئے کہ مسلمانوں کے پاس حصول سکون کے لئے ایک نسخہ کیمیا موجود ہے اور وہ ہے شریعت مطہرہ کے مطابق زندگی گزارنا۔

مثلاً جب بھی دل بے چین ہوا فوراً اس طبیب کی طرف رجوع کرتے ہیں جو طبیب الاطباء ہے مثلاً: پریشانی کی صورت میں فوراً وضو کر کے قرآن کریم کی تلاوت شروع کردی یا نوافل میں مصروف ہوگیا یا ذکر واذکار میں یا اگر کچھ عبادت بھی نہیں کی' بلکہ صرف مسجد میں بیٹھ گیا تو چند ہی لمحوں میں طبیعت ہشاش بشاش ہوجاتی ہے' تو مذکورہ صورت میں مسلمانوں کا عبادت کی طرف رجوع کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے جو کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

''الذین آمنوا وتطمئن قلوبهم بذكر الله الا بذكر الله تطمئن القلوب''۔ (الرعد۔۲۸)

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں'

سن لو اللہ ہی کے ذکر میں دلوں کا اطمینان ہے۔

گویا کہ مسلمانوں کو چین وسکون کی جو دولت نصیب ہے وہ اختیار اسلام اور اتباع قرآن سے نصیب ہے۔

رہا یہ سوال کہ غیر مسلم اس نعمت سے محروم کیوں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم، سب کو عدم سے وجود میں لانے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اس ذات نے انسان کو پیدا کر کے یونہی بیکار و بے مہار نہیں چھوڑا، بلکہ زندگی کے ہر ہر پہلو کی رہنمائی کے لئے اصول وضوابط مقرر فرمائے، جو کتب سماوی میں مذکور ہیں، مگر سوائے قرآن مجید کے باقی کتب میں تحریف کی وجہ سے وہ اصول وضوابط محرف ہو گئے، جس کی وجہ سے ان مذاہب کے پیروکار (غیر مسلم) ایک بہترین زندگی گزارنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ قوانین سے رہنمائی حاصل نہ کر سکے اور آج اسی کے حصول یعنی سکون وچین کے لئے دنیا کے کونے کونے میں بھٹک رہے ہیں اور بزبان حال یہ کہنے پر مجبور ہو گئے:

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

خدا تعالیٰ کے وضع کردہ قوانین پر نہ چلنے کی صورت میں ان کے لئے ان کے گھربار، جال صیاد ثابت ہو رہے ہیں، ان کے گھروں سے زیادہ تعداد پاگل خانوں کی ہے، اس لئے کہ جب پریشانی حد سے بڑھ جاتی ہے تو وہ پاگل خانے ان کا مسکن ٹھہرتے ہیں۔

ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ کے ایک شہر نیویارک میں پاگل خانوں کی تعداد (۱۰۰) سے متجاوز ہے جو ان کی بڑھتی ہوئی پریشانیوں اور بے چینیوں کے لئے ایک واضح دلیل ہے، اس کے برخلاف اگر مسلم ممالک کے ایک ملک پاکستان میں ہی پاگل خانوں کی تعداد معلوم کی جائے تو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے سوائے ایک دو کے، تو غیر مسلم ممالک میں یہ بڑھتے ہوئے پاگل خانے یہ اندرونی عذاب کی ہی ایک صورت ہے جو ان کی دہلیز پر دستک دے رہی ہے۔

سورۂ نبأ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''وجعلنا اللیل لباساً، وجعلنا النهار معاشاً''۔ (النبأ:۱۰،۱۱)

ترجمہ:...''اور ہم نے رات کو سونے کے لئے بنایا اور دن کو حصول معاش کا ذریعہ بنایا''۔

دن رات جو کہ چوبیس گھنٹوں پر مشتمل ہیں، اللہ تعالیٰ نے تغیر الوان کے ذریعے ایسی تقسیم فرمائی کہ ایک حصہ آرام کے لئے وقف ہو گیا اور ایک حصہ حصول معاش کے لئے وقف ہو گیا۔ اور اس تقسیم کو انسان کی فطرت میں رکھ دیا کہ جب سورج نکلتا ہے تو ہر آدمی خود بخود اپنے اندر ایک طرح کی چستی محسوس کرتا ہے جو اس

کو عدم قرار پر برانگیختہ کرتی ہے اور جیسے ہی دن ختم ہوتا ہے' شام کی کالی گھٹائیں ہر چیز کو اپنی بانہوں میں لپیٹ لیتی ہیں۔ قدرتی طور پر انسان کی طبیعت خود بخود آرام وسکون کی طرف مائل ہوتی ہے' انسانوں کے ساتھ ساتھ حیوانوں میں بھی یہی روزمرہ کا معمول ہے۔

ہر آدمی مذکورہ بالا آیت کو مدنظر رکھ کر ان اوقات پر پابندی سے عمل پیرا ہو جائے تو زندگی میں بہار آ جائے' ہر لمحہ حیات خوشبو سے مہک اٹھے گا' سفینۂ حیات تیز وتند موجوں سے نکل کر ساحل پر آ لگے گا' مگر ہمیں اپنی زندگیوں میں چین وسکون کی بہار لانے کے لئے خالق قدرت کے وضع کردہ نظام حیات کے سانچے میں اپنے انگ انگ کو ڈھالنا پڑے گا اور دن رات کو اس کے مقررہ دائرہ کار میں استعمال کرنا ہوگا۔

محترم قارئین! اگر ہم رب کریم کی اس تقسیم کے خلاف کریں گے یا اس نظام پر چلیں تو سہی' مگر رات کو دیر سے سونے اور صبح دیر سے جاگنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے قانون میں ترمیم کرلیں تو اس کے ہم پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ ذرا ان پر نظر ڈالتے ہیں:

۱- اس تقسیم کے خلاف یا تاخیر کی صورت میں ہمارا دل ودماغ متاثر ہوتا ہے' معمولات زندگی درہم برہم ہو جاتے ہیں' چہرہ مرجھایا ہوا لگتا ہے' ارد گرد کا ماحول الٹا نظر آنے لگتا ہے۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ رب کریم کے صرف ایک قانون میں ترمیم کی صورت میں ہمارے اوپر بے شمار اثرات ظاہر ہونے شروع ہوگئے؟

آیئے عہد کریں!

اگر ہم نے پُرسکون زندگی گزارنی ہے تو ہمیں اپنی زندگی کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے وضع کردہ قوانین' اصول وضوابط اور ہدایت کی راہوں پر اپنے قدموں کو جمانا ہوگا اور رسول ہاشمی ﷺ کی ہر ہر ادا کو اپنے ظاہر وباطن میں رچانا ہوگا' اس لئے کہ گود سے گور تک ہماری زندگی کی کامیابی کے راز انہی طریقوں میں پوشیدہ ہیں۔

☆☆....☆☆

ڈائینٹیک سینٹر کا دعویٰ اور اسلامی تعلیمات

مولوی فضل معبود

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ذیل کے مسئلہ کے بارے میں کہ:

یورپ، امریکا میں ڈائینیٹک سینٹر کے نام سے کوئی ادارہ کام کررہا ہے، اس کی برانچیں کراچی سمیت پاکستان میں بھی موجود ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ہم بنی نوع انسان کی سیلف امپرومنٹ Self Imporvement (شخصیت کو بہتر بنانا) کے لئے کام کررہے ہیں، یہ لوگ اس کو جدید سائنس کا نام دیتے ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق انسان کے ساتھ جو زیادتی ہوتی ہے یا کوئی تکلیف دہ واقعہ پیش آتا ہے یا کوئی انسان خود کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کرتا ہے، مثلاً کسی کا مال ہڑپ کرجانا، کسی کو گالی دینا، لڑائی جھگڑا کرنا، اپنی والدہ، بہن، بھائی یا خود کا اپنے والد سے پٹنا، اندھیرے یا کسی ان دیکھی چیز سے خوف کھانا اور کسی بھی گناہ کا ارتکاب کرنا وغیرہ وغیرہ یا یہ سارے عمل خود کسی کے کے ساتھ کرنا، دونوں صورتوں میں یہ چیزیں انسان کے دماغ میں اسٹور (ذخیرہ) ہوجاتی ہیں، جو کہ انسان کی روح کو بیمار کرتی ہے اور انسان کو تمام عمر بے چین، پریشان رکھتی ہے۔

ڈائینیٹک سینٹر سے وابستہ افراد دعویٰ کرتے ہیں کہ انسانی ذہن میں ذخیرہ ہونے والے گناہ کے کاموں یا کسی بھی تکلیف دہ واقعہ کو دنیا کی کوئی ٹیکنک نکال نہیں سکتی ہے، جس کی وجہ سے انسان مرتے دم تک تکلیف، پریشانی اور ٹینشن میں رہتا ہے اور انسان کی موت بھی تکلیف دہ ہوتی ہے، یہ کام صرف ڈائینیٹک سینٹر کی ٹیکنک سے ہی ہوسکتا ہے۔ براہ کرم اس مسئلہ میں قرآن وحدیث سے مکمل رہنمائی فرمائیں۔

محمد ایوب، ۱۱-بی، ہاشو سینٹر، عبداللہ ہارون روڈ، صدر، کراچی۔

الجواب حامداومصلیا

مذکورہ ڈائینیٹک سینٹر کے مقاصد جاننے سے پہلے پریشانی اور ابتری کے معنی متعین کرنا ضروری ہے، جس کی بناء پر زندگی کی سکون کی راہ خود متعین ہوجائے گی۔ لوگوں نے مصیبت وپریشانی، دکھ درد بیماری افلاس،

تنگ دستی، جیل، قید وبند، مار دھاڑ، قتل وغارت، قحط وباء وغیرہ کو سمجھ رکھا ہے، حالانکہ ان میں سے ایک چیز بھی مصیبت نہیں، یہ صرف واقعات اور حوادث ہیں، پریشانی اور مصیبت درحقیقت ان سے دل کا اثر لینا، تشویش میں پڑنا اور تنگ دل ہونا ہے۔ پس یہ چیزیں زیادہ سے زیادہ اسباب مصیبت کہلائی جاسکتی ہے، مصیبت نہیں۔ مصیبت درحقیقت اس قلب کی تاثیر کا نام ہے جس کو حضور اکرم ﷺ نے اپنی ایک حدیث میں اس طور پر بیان فرمایا ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نکتہ لگتا ہے، جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے:

''عن ابی ہریرۃؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ ان المومن اذا اذنب کانت نکتۃ سوداء فی قلبہ فان تاب واستغفر صقل قلبہ وان زاد زادت حتی تعلو قلبہ فذالکم الران الذی ذکر اللہ تعالیٰ ''کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون'' (باب الاستغفار والتوبۃ ص:۲۰۴ ط سعید)

اور اسی تاثیر کو یہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں جس کے وجہ سے روح بیمار ہوجاتا ہے، کیونکہ روح کا تعلق بھی اسی قلب کے ساتھ ہوتا ہے، جب اس تاثیر اور کیفیت کا تعلق روح کے ساتھ ہے اور روح اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہی ایک امر ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

''ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا''۔

(بنی اسرائیل:۸۵)

تو اس کے علاج کے لئے اور اس قسم کی تاثیر کو ختم کرنے کے لئے سینٹرز بنانے کی ضرورت نہیں اور نہ اس تاثیر کے خاتمے کے لئے یہ تدبیریں کبھی معقول اور کارگر ہوسکتی ہیں، بلکہ اس کا علاج بھی روحانی ہونا چاہئے اور اس کے لئے صرف یہی ہوسکتا ہے کہ ان حوادث کے پیش آنے پر قلبی تشویش اور پراگندگی کا راستہ روک دیا جائے اور ان سے بجائے خلاف طبع ضیق اور تشویش کا اثر لینے کے، انہیں طبیعت کے موافق بنالیا جائے، جس سے دل ان سے گھٹنے کے بجائے لذت لینے لگے۔ اس کی سہل صورت یہ ہے کہ نظر کو ان حوادث سے ہٹا کر اس سرچشمہ کی طرف پھیر دیا جائے جہاں سے بن کر یہ اسباب اور حوادث عالم دنیا پر اترتے ہیں اور وہ ذات اللہ رب العزت کی ہے، اگر اس سے رشتہ محبت وعبودیت ورابطہ رضا وتسلیم قائم کرلیا جائے جس کا نام ایمان ہے اور اپنا حال یہ بنایا جائے کہ اس کے تصرف پر اطمینان واعتماد میسر آجائے تب حقیقی سکون میسر ہوگا، کیونکہ شریعت کی پابندی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد حقیقت میں سکون کا اہم ذریعہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

''الذین آمنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب'' (رعد:۲۸)

اسی طرح ایک حدیث شریف میں ہر پریشانی کا علاج استغفار کو بتایا گیا ہے، مشکوٰۃ شریف میں ہے:

''عن ابی ہریرۃؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ من لزم الاستغفار جعل اللہ لہ من کل

ضیق مخرجاً ومن کل هم فرجاً ورزقه من حیث لایحتسب'' (ص:۲۰۴ ط:سعید)

اسی طرح مذکورہ سوال میں ذکر کئے گئے دعوے بھی شریعت کی تعلیمات سے متصادم ہیں' جیسا کہ ان لوگوں کا یہ دعویٰ کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد اس کا تصور دماغ میں ستور ہوکر روح کو بیمار کرتا ہے اور انسان کو تمام عمر پریشان اور بے چین رکھتا ہے۔ اس کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اپنے گناہوں پر ندامت اور اس کے تصور کی وجہ سے پریشانی روح کی بیماری نہیں' بلکہ روح کی صحت کی علامت ہے' کیونکہ یہی ندامت خشیت الٰہی کی دلیل ہے اور یہی خوف وخشیت ایمان کامل کی علامت ہے' اس لئے کہ یہی خوف انسان کو گناہوں سے روکتا ہے' جیسا کہ الزواجر میں ہے:

''**واعلم ان اعظم زاجر عن الذنوب هو خوف الله تعالیٰ وخشیة انتقامه وسطوته وحذر عقابه وغضبه وبطشه**'' (مقدمہ ج:۱ص:۱۲)

اور یہی خوف ہے جس کی بناء پر قرآن کریم کی تعلیمات انسان کے لئے سرچشمہ ہدایت ہیں' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''**هدی ورحمة للذین هم لربهم یرهبون**''

اسی طرح الزواجر میں حضرت حسنؒ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

''**قال الحسن ان الرجل ای الکامل لیذنب الذنب فما ینساه ولایزال متخوفا منه حتی یدخل الجنة**'' (کتاب الزواجر مقدمہ ص:۱۵)

اسی طرح اس سینٹر والوں کا یہ دعویٰ کہ یہ پریشانی ڈائینٹک سینٹر کی ٹیکنک ہی سے دور ہوسکتی ہے' یہ دعویٰ بھی تعلیماتِ اسلامی کی منافی ہے' اس لئے کہ بہت ساری آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ اس پر دال ہیں کہ توبہ سے اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہ معاف فرمادیتے ہیں' جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

''**عن النبی ﷺ قال التائب من الذنب کمن لاذنب له**'' (مجمع الزوائد ج:۱۰ص:۲۰۰)

اسی طرح ترمذی شریف میں ہے:

''**عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال الصلوات الخمس والجمعة الی الجمعة کفارات لما بینهن مالم یغش الکبائر**''۔ (باب فضل الصلوات الخمس ج:۱ص:۵۲)

محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوریؒ اس کے شرح میں فرماتے ہیں:

''**غفرله ما تقدم من ذنبه ظاهره یعم الکبائر والصغائر' لکن العلماء خصوا بالصغائر لو روده مقیدا باستثناء الکبائر فی غیر هذه الروایات ثم ان مغفرة الکبائر تکون بالندم والاستغفار والتوبة یکاد یکون هذا**

اجماعا منهم''۔ (معارف السنن بحث ان الصلوات کفارات للصغائر ج:۲'ص:۲۶۱)

اسی طرح اس ادارے کا یہ دعویٰ کہ انسان جب مرتا ہے تو اس کی موت تکلیف کی حالت میں واقع ہوتی ہے اور یہ انسان اسی تکلیف کی حالت میں مرتا ہے' یہ دعویٰ بھی تعلیمات اسلامی کے خلاف ہے' اس لئے کہ آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جب حالت ایمان پر مرتا ہے تو فرشتے روح کے قبض کرنے کے وقت آسانی سے روح کو قبض کرتے ہیں اور اس کو جنت کی بشارت دیتے ہیں' جیسا کہ آیت مبارکہ میں ہے: ''الذین تتوفاهم الملائكة طيبين'' (سورۂ نحل:۳۲)

اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے:

''عن محمد بن كعب القرظي قال اذا استفاقت نفس العبد المومن جاء ه الملك فقال السلام عليك يا ولي الله' الله يقرأ عليك السلام ثم نزع بهذه الاية الذين تتوفا هم الملائكة طيبين يقولون سلام عليكم''

(الدر المنثور في التفسير الماثور ج:۵'ص:۱۲۸ سورۂ نحل)

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبه
شعیب عالم	محمد عبد المجید دین پوری	فضل معبود
		المتخصص فی الفقه الاسلامی
		جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

ملفوظ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

مراقبہ عذاب آخرت

ارشاد: عذاب آخرت کا سوچنا تمام پریشانیوں سے نجات دینے والا ہے' اس سے کلفت اور کدورت نہیں ہوتی' بلکہ اس فکر سے قلب میں نورانیت وانشراح ہوتا ہے جس کا راز یہ ہے کہ اس فکر سے قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور تعلق ہوجاتا ہے اور تعلق مع اللہ تمام پریشانیوں سے نجات دینے والا ہے'

نقد و نظر

تبصرے کے لیے ہر کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

ادارہ

شرح سنن النسائی: جلد سوم:

ترجمہ و تشریح مولانا خلیل الرحمن صدر مدرس دار العلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار' صفحات: ۵۷۶' قیمت: ۳۵ روپے' پتہ: زمزم پبلیشرز شاہ زیب سینٹر' نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب صحاح ستہ میں شامل سنن نسائی شریف کی تشریح ہے' اور پیش نظر سنن نسائی شریف یوں تو دورۂ حدیث میں شامل ہے' مگر بعض مدارس میں اسے صرف تبرکاً پڑھایا جاتا ہے' حالانکہ کتاب کی اہمیت اس کی متقاضی ہے کہ اس کو بھی دوسری صحاح ستہ کی طرح باقاعدہ پڑھایا جائے' بہر حال ضرورت تھی کہ اس کی شرح و تشریح کی جانب توجہ کی جاتی' اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مترجم و شارح کو جنہوں نے اس طرف توجہ فرمائی۔

کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ موصوف نے عام فہم اور سلجھے انداز سے کتاب کو حل کرنے کی سعی فرمائی ہے اور جہاں ضرورت پیش آئی ہے وہاں تشریح کا عنوان لگا کر ابہام و اغلاق کو رفع فرمایا ہے اور جہاں کہیں ضرورت پیش آئی وہاں فقہی مباحث کو بھی سمویا ہے' اور فقہاء کے دلائل کو ذکر کرنے کے بعد وجوہ ترجیح بھی بیان کئے ہیں۔

کتاب عوام و خواص کے لئے یکساں مفید اور کارآمد ہے۔

شریعت یا جہالت:

جناب محمد پالن حقانی گجراتی' تخریج و ترتیب نو: مولانا اختر علی (استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی)' صفحات: ۸۵۳' قیمت: ۲۴۰ روپے' پتہ: بیت العلم ٹرسٹ' ۹۔ای' ایس ٹی بلاک ۸' گلشن اقبال کراچی۔

بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ: اللہ تعالیٰ اپنا کام جس سے بھی لے یہ اس کی حکمت و رحمت پر منحصر ہے اس کے لئے نہ کسی مدرسہ کا مستند عالم ہونا شرط ہے نہ عالم متبحر نہ کہنہ مشق مصنف ہونا شرط ہے نہ بلند و بانگ خطیب بلکہ وہ جب چاہتے ہیں کسی عامی اوران پڑھ سے بھی یہ کام لے لیتے ہیں۔

چنانچہ مشہور زمانہ پیش نظر کتاب ''شریعت یا جہالت'' اس کا کھلا ثبوت ہے چنانچہ ایک عام آدمی اور مل مزدور انسان جناب محمد پالن حقانی کو اللہ تعالیٰ نے جب دین کی سمجھ دی تو وہ رسوم و بدعات کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے چنانچہ جہاں انہوں نے زبان و بیان سے مخلوق خدا کی راہ نمائی کی وہاں انہوں نے ''شریعت یا جہالت'' کے نام سے ایک بہترین کتاب لکھ کر سیدھے سادے مسلمانوں کی راہ نمائی فرمائی۔

اس کتاب کی اہمیت وافادیت اور ثقاہت کے لئے یہی کافی ہے کہ حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اسے مفید اور کارآمد قرار دیا۔

یہ کتاب یوں تو کافی عرصہ سے ہند و پاک کے مختلف کتب خانوں سے شائع ہورہی تھی اب اس کی کمپوزنگ اور جدید ترتیب وتخریج کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

کتاب کا تعارف اس کی لوح پر اس طرح درج ہے:

''توحید خالص پر مبنی دل پذیر مواعظ قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبویہ کی روشنی میں شرک و بدعات وغیر اسلامی رسومات کی برائیوں عوام وخواص کو احکام خداوندی اور سنت نبویؐ پر کاربند کرنے کے لئے پرخلوص دعوت پر مشتمل۔''

بلاشبہ یہ کتاب ہر گھر اور گھر کے ہر فرد خصوصاً خواتین کے لئے دین سمجھنے میں مفید ومعاون ثابت ہوگی۔

والدین کی قدر کیجئے:

مولانا محمد حنیف عبدالمجید (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی) صفحات: ۵۱۹ قیمت: درج نہیں پتہ: دارالہدیٰ دفتر: ۸ پہلی منزل شاہ زیب ٹیرس نز دزمزم پبلشرز اردو بازار کراچی۔

برادر عزیز مولانا مفتی محمد حنیف صاحب ان موفق من اللہ نوجوانوں میں سے ہیں جن کو نئی نسل کی اصلاح وتربیت کی بطور خاص فکر ہے وہ موجودہ بے دینی کی آگ سے تمام مسلمانوں اور خصوصاً نوجوانوں کو بچانے کی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے لئے متعدد عام فہم اور سادہ زبان میں قیمتی کتابیں مرتب فرمائی ہیں، جن میں سے مثالی ماں، مثالی باپ، تحفہ دلہن، تحفہ دولہا وغیرہ ان کی متعدد کتابوں نے قبول عام حاصل کیا ہے، پیش نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ کتاب کا تعارف ٹائٹل پر اس طرح کرایا گیا ہے:

''اس کتاب میں قرآن وحدیث کی روشنی میں حقوق والدین کو واضح کیا گیا ہے اور سو سے زائد سبق آموز اور پُر اثر سچے واقعات کو بھی آسان انداز میں ذکر کیا گیا ہے، اس کے پڑھنے سے والدین کی خدمت کرنے، ان کو راحت پہنچانے کا جذبہ پیدا ہوگا، اور والدین کی نافرمانی اور ان کی ایذا رسانی کے نتیجہ میں دنیا و آخرت کے وبال اور بُرے انجام کا ڈر پیدا ہوگا۔''

کتاب پر متعدد اہل علم کی تقریظ اس کی خوبی اور قابل اعتماد ہونے کی دلیل ہے۔ کتاب ہر اعتبار سے مفید، موثر اور قابل مطالعہ ہے، امید ہے علماء، طلبہ اور عوام الناس اس کی قدر افزائی میں بخل سے کام نہیں لیں گے۔

مکاتیب الکریم:

ترتیب: مولانا عبدالقیوم حقانی، صفحات: ۳۱۱، قیمت: درج نہیں، پتہ: ماہنامہ القاسم جامعہ ابو ہریرہؓ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، نوشہرہ سرحد، پاکستان۔

پیش نظر کتاب دراصل ماہنامہ ''القاسم'' کی گیارھویں خصوصی اشاعت ہے، جس میں مرتب موصوف نے اکابر علماء دیوبند کے قافلہ علم وعزیمت کے معتمد ورفیق خاص شیخ التفسیر حضرت مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی، فاضل دیوبند کے ان مکاتیب کو مناسب عنوانات اور ذیلی سرخیاں لگا کر کتابی شکل میں شائع کیا ہے، جو خود مرتب موصوف کے نام لکھے گئے تھے، بلاشبہ یہ علمی، ادبی، تاریخی اور اصلاحی مکاتب قابل مطالعہ اور لائق تقلید ہیں۔

یہ کتاب اس اعتبار سے اپنی جگہ انوکھی ہے کہ اس میں کسی زندہ علمی شخصیت کے مکاتب کو جمع کر کے شائع کیا گیا ہے۔

مرتب موصوف کی یہ سعی اپنی جگہ لائقِ قدر ہے اور اس اعتبار سے قابلِ تقلید ہے کہ اصاغر اپنے اکابر کے تبرکات کو اس طرح محفوظ کریں اور ان کو اگلی نسلوں تک پہنچائیں تاکہ ان کے فیوض و برکات سے دوسرے بھی استفادہ کرسکیں۔

☆☆....☆☆